بسم الله الرحمن الرحيم

ولایت‌نامه - شمارہ اول

زیرِ اہتمامِ **حرمِ مقدسِ امیرالمؤمنین علیہ‌السلام** انٹرنیشنل میڈیا

زیر نظر

سید عیسی الخرسان

مدیر

سید محمد موسوی مقرم

چیف ایڈیٹر

محسن ہاشم‌زادہ

مصنفین

گروہِ محققینِ حرمِ مقدسِ امیرالمؤمنین علیہ‌السلام انٹرنیشنل میڈیا

گرافک ڈیزائنر

مہدی اسماعیل زادہ

فہرست

غدیر آغازِ ماموریتِ اوصیا ٦

دیباچہ ١٠

تخلیق کا سبب اور مقصد ١٤

کائنات کے ذمے ایک امانت ٢٤

صحیفۂ ہستی پر نامِ ولایت کی کتابت ٣٢

تمام شریعتوں کی بنیادی روح ٤٢

نبوت کی شرط ٤٨

انبیا کے مشکل کشا ٥٦

حقیقتِ معجزۂ خاتم الانبیا ٦٢

تبلیغِ ولایت میں جہاد نبوی ٧٢

غدیر؛ لمحہ بہ لمحہ ٨٠

حدیثِ غدیر کلامِ انیس کی روشنی میں ٩٦

تاریخِ حرم مقدس امیرالمؤمنین علیہ السلام ١١٠

اعداد و شمار: زیارتِ عیدِ غدیر ١١٨

روزِ غدیر؛ خدماتِ حرمِ امیرالمؤمنین علیہ السلام ١١٩

خاتمہ ١٢٦

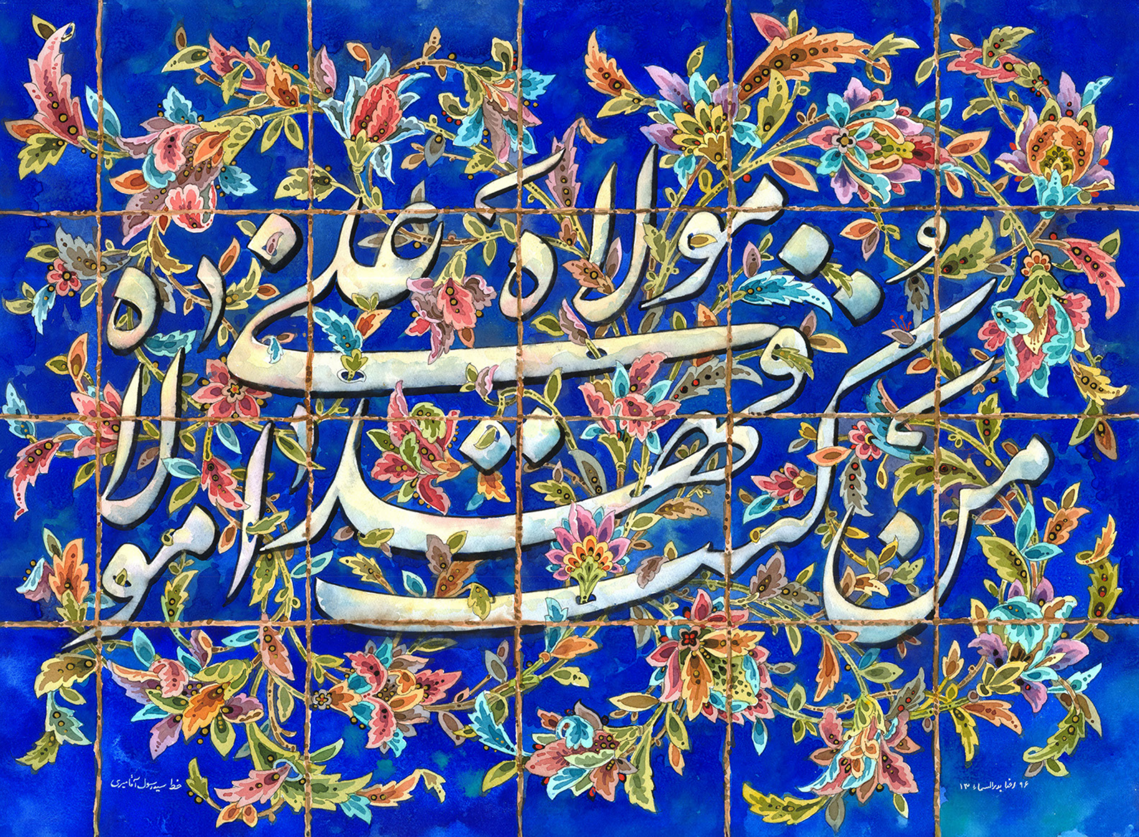

غدیر

آغازِ ماموریتِ
اوصیا

هوالودود

۱۸ ذی الحجہ کی صبح نمودار ہوتے ہی، دشتِ مکہ میں بشارتوں کے مینار بلند ہوئے تاکہ دینِ خدا کے کمالِ تام کا اعلان کریں۔ اس حال میں کہ زبانِ قدرت سے یہ کلام جاری تھا: "آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا"۔ رسالتِ محمدی کا آسمان نورانی بادلوں سے بھر گیا تاکہ نہایت مسرت و شادمانی کے ساتھ الٰہی برکات کے مکمل ہونے کی نوید سنائے۔

چنانچہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے خود اپنے دستِ مبارک سے اپنے چچا زاد، معتمدِ خاص اور اپنے وزیر کا ہاتھ بلند کیا اور انھیں بھائی اور دوست کا درجہ عطا فرمایا؛ بلکہ اس سے بڑھ کر انھیں اپنا بیٹا قرار دیا اور اپنی خاص عنایت و محبت سے نوازا۔ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے لیے ہر قریب سے زیادہ قریب تھے، اسی لیے آپ نے ہر وہ صفت و کمال جو لازم تھا، انھیں عطا کر دیا۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ اپنی مادرِ گرامی کی آغوش سے لے کر پوری زندگی حکم الٰہی کے فرمانبردار اور اس کے دین کے مددگار و ناصر رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اسی طرح فصیح عربی زبان اور پُراثر گفتگو کے ذریعے دونوں جہانوں کے رب کے حکم کی خبر دی اور حضرتِ علی علیہ السلام کے "مقامِ ہارونی" اور آپؑ کی بلند منزلت کا ذکر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنی وہ ابدی پکار تاقیامت بلند کر دی کہ "جس کا میں مولا ہوں، علی اس کے مولا ہیں"۔ ان نبوی ارشادات کے ذریعے، اللہ تعالیٰ کی یہ منشا اور ارادہ ظاہر ہوا کہ "انسانِ کامل" کو اس کے اس اصل منصب اور مقام پر فائز کیا جائے جس کا وہ حقدار ہے۔

حضرت علی علیہ السلام اس مقام و مرتبے پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ جیسی شان کے حامل تھے اور پروردگار کے اس فرمان: "میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں" کی بہترین تعبیر اور کامل ترین تفسیر بن کر ابھرے۔ یہ اس حقیقت کا مظہر تھا جس کی خبر فرشتوں نے انسانوں کے دو گروہوں کے بارے میں دی تھی:

ایک وہ گروہ جو ہوائے نفس اور سرکشی کے باعث نافرمانی اور شک کی دلدل میں جا گرا اور تردید کی زبان کھولتے ہوئے کہنے لگا: "کیا تو زمین میں اسے خلیفہ بنائے گا جو فساد پھیلائے اور خونریزی کرے؟" اور دوسرا وہ گروہ جس نے حمد و ثنا کے ساتھ اس روشن حقیقت کے سامنے بصیرت اور کامل یقین کے ساتھ سرِ تسلیم خم کیا اور ان کی زبان پر یہ ورد تھا: "بارِالٰہا! تو پاک و منزہ ہے، ہمیں تو بس اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا، بے شک تو ہی علیم و حکیم ہے"۔

یہ وہ بلند درجہ ہے جہاں صرف وہی لوگ پہنچ پاتے ہیں جو یہ ادراک رکھتے ہوں کہ "نبیؐ مومنین کی جانوں پر خود ان سے زیادہ حق رکھتے ہیں" اور یہ کہ آپؐ کا سخن نور و روشنائی، آپؐ کا کلام قولِ حتمی، اور آپؐ کی رائے علم، آگاہی، بردباری اور استقامت کا سرچشمہ ہے۔

غدیر کا پروقار دن، دراصل بعثتِ انبیا کے اختتام اور تعلیماتِ آسمانی کے تسلسل کے لیے "اوصیا" کی ماموریت کے آغاز کا دن ہے؛ جو خدا اور اس کے رسول کی جانب سے معصومین علیہم السلام کی جانشینی کی صورت میں ظاہر

ہوا۔ ان ائمہ کی فہرست میں، جنھیں خدا نے ہادی اور مہدی بنا کر برگزیدہ فرمایا، امام علی ابن ابی طالب علیہما السلام کو "امیر المومنین" قرار دیا۔ آپ پہلی اور کامل ترین شخصیت ہیں جن میں منصبِ جانشینی کا مکمل عکس نظر آتا ہے۔ وہ ہستی جس نے بندگی و اطاعت اور قیادت و سیادت کی قباؤں کو اپنے وجود اور عمل میں اخلاصِ الٰہی و نبوی کی شرطوں کے ساتھ یکجا کر رکھا تھا، تاکہ امتِ مسلمہ کے لیے صراطِ مستقیم کا تعین ہو سکے۔ پس علی علیہ السلام وہ "راہِ راست" ہیں جس نے اسے اپنایا وہ امان پا گیا اور نجات پا گیا، اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ گمراہ اور سرگرداں ہوا۔

ہم خدائے عزوجل سے دعا گو ہیں کہ ہمیں اس راہ کے راہیوں، عہدِ غدیر کے وفاداروں اور آپؑ کے حقیقی پیروکاروں میں شمار کرے، نہ کہ ان میں جو اپنی خواہشات کے پیچھے چلے گئے۔ خدا ہمیں ان لوگوں کے مقام تک بلند فرمائے جو اس "منتقم" کے منتظر ہیں جس کا ظہور اور جس کا عدل، غدیر کے تمام مفاہیم اور مضامین کو زمین پر حقیقت کا روپ عطا کرے گا؛ اور وہ کوئی نہیں مگر حضرتِ مہدی موعود عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف ہیں۔

سید عیسی محمد صالح الخرسان

متولی حرمِ مقدسِ امیرالمؤمنین

دیباچہ

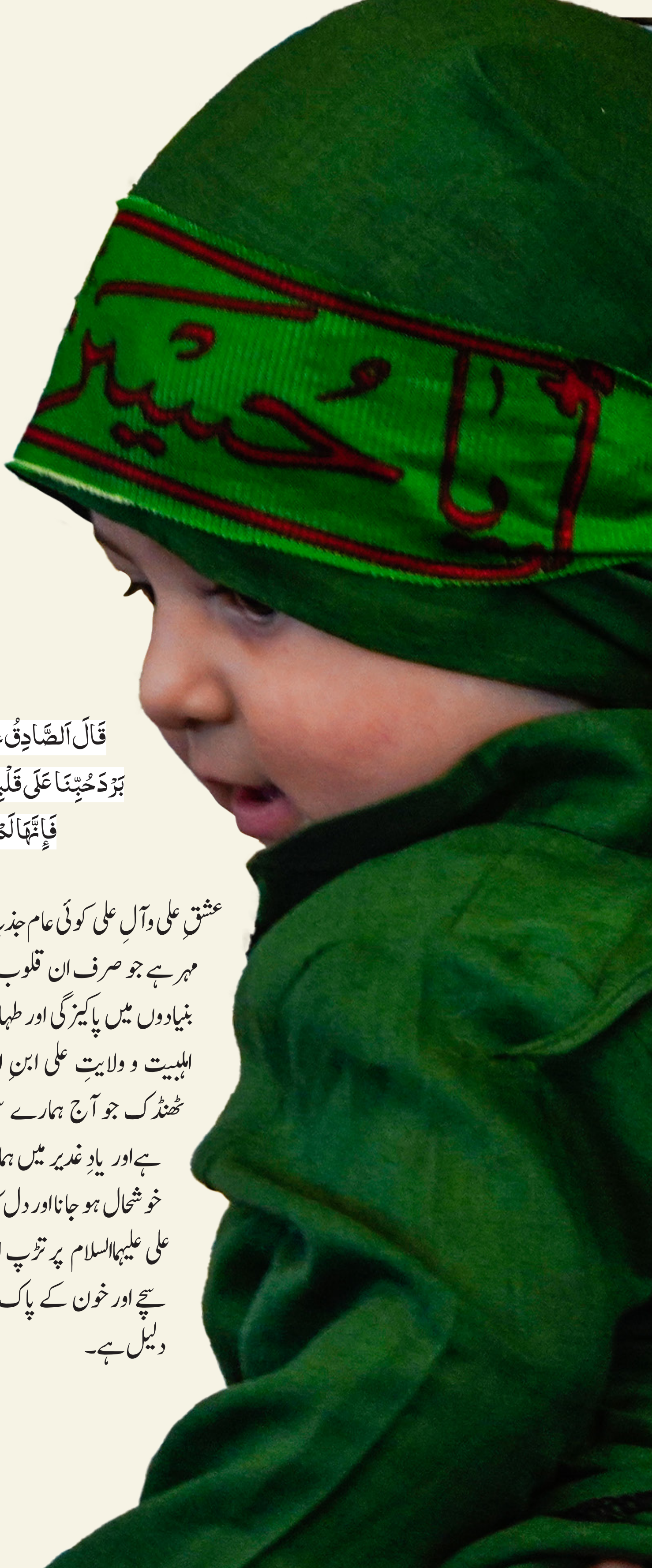

قَالَ ٱلصَّادِقُ عَلَيۡهِ ٱلسَّلَامُ مَنۡ وَجَدَ
بَرۡدَ حُبِّنَا عَلَى قَلۡبِهِ فَلۡيُكۡثِرِ ٱلدُّعَاءَ لِأُمِّهِ
فَإِنَّهَا لَمۡ تَخُنۡ أَبَاهُ

عشقِ علی وآلِ علی کوئی عام جذبہ نہیں، بلکہ یہ ایک آسمانی مہر ہے جو صرف ان قلوب پر ثبت ہوتی ہے جن کی بنیادوں میں پاکیزگی اور طہارت رچی بسی ہو۔ محبتِ اہلبیت و ولایتِ علی ابنِ ابی طالب علیہم السلام کی ٹھنڈک جو آج ہمارے سینوں میں محسوس ہوتی ہے اور یادِ غدیر میں ہمارے قلوب کا مسرور اور خوشحال ہو جانا اور دل کا ذکرِ مصیبتِ حسین ابنِ علی علیہما السلام پر تڑپ اٹھنا یہ فطرتِ انسانی کے سچے اور خون کے پاک ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

ولایت کا بیج صرف اُسی زمین پر پھل دیتا ہے جو حیا اور وفاداری سے زرخیز ہو۔ ہماری ماؤں کی وہ عفت، وہ پاکدامنی اور وہ وفاداری ہی تھی جس نے ہمارے وجود کو اِس قابل بنایا کہ ہم علی علی کر سکیں۔ لیکن یہ طہارت صرف اخلاقی حد تک محدود نہیں، بلکہ اِس کے پیچھے اُس حقیقی ماں یعنی خاتونِ جنت سلام اللہ علیہا کا وہ عظیم احسان اور کرم ہے جس نے رہتی دنیا تک اپنے چاہنے والوں کے نسب کو معنوی غُبار سے پاک کر دیا۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے جنابِ سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے درخواست کی کہ وہ اپنے حق (خمس وانفال) کو شیعیانِ علی کے حق میں مباح کر دیں یوں شہزادی کونین کا ہم پر وہ احسان ہے جس نے ہمارے والدین کے عقد اور ہماری ولادت کو پاکیزگی اور طہارت بخشی۔

پس، جس پاکیزہ خون اور عفتِ مادر کے صدقے ہمیں اِس منزل تک پہنچایا گیا ہے، اُس کا کمالِ اتم آج "وقت کے علی" عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کی پہچان میں پوشیدہ ہے۔ ہماری یہ معنوی طہارت ہمیں پکار کر کہہ رہی ہے کہ اس عہدِ غیبت میں "امامِ برحق" سے ہمارا جڑنا ہی ہماری پاکیزہ ولادت اور نسبی طہارت کا اصلی ثبوت ہے۔ جب بھی ہمارا دل اس عشقِ لازوال سے سرشار ہو، تو اس پروردگار کا شکر ادا کرنا نہیں بھولنا چاہیے کہ جس نے ہمیں تمام نعمتوں سے پہلے "پاکیزہ ولادت" کی اس عظیم نعمت سے نوازا، جو درحقیقت ولایتِ اہلِ بیت کو سینوں میں بسانے کی پہلی سیڑھی اور بنیاد ہے۔

تخلیق کا سبب
اور مقصد

ولایت نامہ

قلم کی روشنائی کاغذ تک پہنچنے سے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ ولایت کی حکایت نہ کل کی ہے نہ آج کی؛ یہ وہ حقیقت ہے جس کی سطریں زمانے کی تخلیق سے پہلے رقم ہو چکی تھیں۔ خدا کے حکیمانہ نظام میں کوئی کام بے مقصد نہیں اور ہر ابتدا کے پیچھے ایک حکمت ہوتی ہے۔ جب ہم تبلیغِ ولایتِ امیر المؤمنین میں تدابیرِ الٰہی کا ذکر کرتے ہیں، تو ہمیں اپنی نگاہوں کو مادی افق سے بلند کر کے تخلیق سے پہلے کے اُس نوری عالم پر مرکوز کرنا ہوگا جہاں زمان و مکان کا وجود تک نہ تھا۔

وجودِ ہستی کی پہلی دھڑکنوں کے نظارے میں—جب نہ مٹی کا نشان تھا نہ آسمانوں کا وجود—غیب کے پردوں کے پیچھے ایک حقیقت جلوہ گر تھی جو مقرب فرشتوں کی سمجھ سے بھی ماورا تھی۔ گویا ازلی تدبیر نے طے کر لیا تھا کہ دفترِ تبلیغ کا آغاز اس نام سے ہو جو خود تمام موجودات کے وجود کا سبب ہے۔

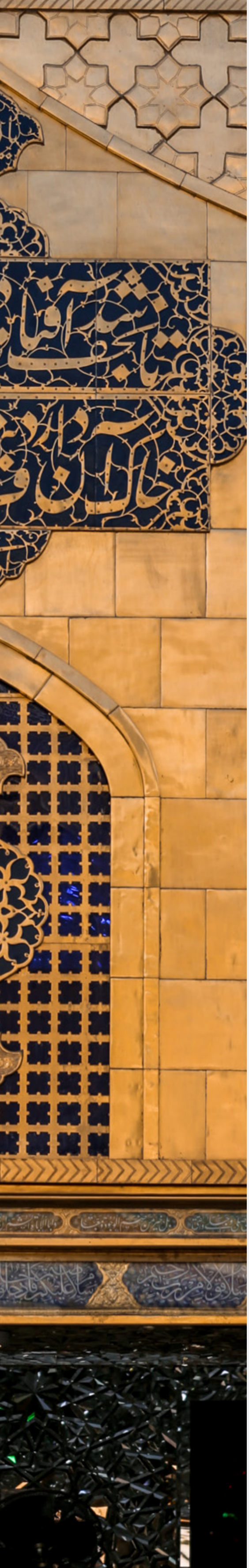

عقلِ سلیم کا تقاضا ہے کہ "مقصود" ہمیشہ "فعل "پر مقدم ہوتا ہے۔ اگر آسمان سا شامیانہ نصب کیا گیا یا زمین سا فرش بچھایا گیا تو ضرور اس کائنات کے وجود میں کوئی ایسی روح کارفرما ہے جس کی وجہ سے یہ سب کچھ قائم ہے اور جس کے دم سے باقی سب باقی ہیں۔ ولایتِ امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ تخلیق کی پہلی کڑی اور مشیتِ الٰہی کی آخری منزل ہے۔ یہی ولایت سبب بھی ہے اور مقصد بھی۔ غدیر کو سمجھنے کے لیے وقت کی حدود سے آگے نکلنا ہوگا اور اس زمانے میں سفر کرنا ہوگا کہ جب ابھی زمانہ ہی معرضِ وجود میں نہ آیا تھا۔ اس وقت صرف خدا تھا اور ایک نور، جو اس کے جلال و عظمت کا آئینہ دار تھا۔

یہ تحریر عالم کی تکوین میں الٰہی تدابیر پر ایک نظر ہے، تاکہ ہم یہ جان سکیں کہ کس طرح ولایتِ امیر المؤمنین علیہ السلام، غدیر کے میدان میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی زبان پر جاری ہونے سے بھی پہلے کائنات کی بنیادوں میں پیوست کر دی گئی تھی۔

ا۔ وہ نور جس کی خلقت سب سے پہلے ہوئی

اس سے پہلے کہ وقت گردش میں آئے اور اس سے پہلے کہ قدرتِ الٰہی کا سہارا یعنی "عرشِ الٰہی" وجود کا لباس پہنے، رحمان کی بارگاہِ قدسی میں کچھ انوار درخشاں تھے۔ اس "سبقتِ خلقت" کے موضوع کو آیات و روایات میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ کلامِ وحی میں ارشاد ہوتا ہے:

(إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ)[1]

تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں خلق کیا، پھر عرش پر جلوہ افروز ہوا اور نظامِ کائنات سنبھالا۔

---

[1] ۔ سورہ یونس، آیت ۳۔

خداوندِ متعال کی یہ تدبیر ایک انتہائی حکیمانہ اور مقصد پر مبنی نظام ہے؛ جہاں تمام مخلوقات ایک ایسی ترتیب میں رکھی گئی ہیں جو ہمارے ظاہری فہم سے بالاتر ہیں اور کنایتاً ہمیں ایک حقیقت کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور وہ ہے "خلقت میں سبقت"۔ امیر المومنین علیہ السلام ایک روایت میں آسمان پر زمین کی خلقت کے مقدم ہونے سے پردہ اٹھاتے ہوئے اسے عرشِ بریں سے جہان کی کلی تدبیر کا پیش خیمہ قرار دیتے ہیں۔ آپ ایک ارشاد میں فرماتے ہیں: خداوندِ متعال نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا اور پھر عرش پر امور کی تدبیر فرمائی۔[1]

مادی مظاہر کی تخلیق میں یہ تقدم و تاخر خود اس بات کی علامت ہے کہ خلقت ایک دقیق اور مرحلہ وار بناوٹ ہے جس کے مرکز میں ایک بہت عظیم حقیقت پوشیدہ ہے۔ جس وقت نہ عرش کا پتا تھا اور نہ فرشتوں کا نشان، قدس رحمانی کی بارگاہ میں ایک ایسا نور چمک رہا تھا جو عظمت اور جلالِ الٰہی کا حامل تھا۔ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اس بیان میں جو فکر و اندیشہ پر لرزہ طاری کر دیتا ہے، فرماتے ہیں کہ میں اور علی، اس سے پہلے کہ خداوند اپنے عرش کی بنیاد رکھتا، چودہ ہزار سال تک خدائے رحمان کے حضور ایک نور کی صورت میں موجود تھے۔[2] تمام مخلوقات پر یہ "سبقت" اس وہم کو جڑ سے اکھاڑ دیتی ہے کہ عالم میں کوئی ایسی مخلوق بھی ہو سکتی ہے جسے ان ہستیوں پر برتری یا سبقت حاصل ہو۔

فطری طور پر ہمارے ذہن میں "باپ اور بیٹے کا رشتہ" ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ بیٹا باپ کے بعد آتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی

۱۔ عیاشی، التفسیر، جلد ۲، صفحہ ۱۲۰: (أمیرالمؤمنین علیه‌السلام: إِنَّ اللّٰهَ جَلَّ ذِكْرُهُ وَ تَقَدَّسَتْ أَسْمَاؤُهُ خَلَقَ الْأَرْضَ قَبْلَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَوىٰ عَلَى الْعَرْشِ لِتَدْبِيرِ الْأُمُورِ۔)

۲۔ إرشاد القلوب، ج ۲، ص ۴۰۴: (عن رسول الله صلی الله علیه وآله: ...خَلَقَنِي اَللّٰهُ وَ عَلِيّاً قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ آدَمَ عَلَيْهِ اَلسَّلاَمُ بِأَرْبَعِينَ أَلْفَ عَامٍ... كَانَ اَلاِبْنُ قَبْلَ اَلْأَبِ؟ فَقَالَ نَعَمْ۔)

کی عظمت کی طرف سب کو متوجہ کرنے کے لیے فطرت اور طبیعت کے باطن کو ایک الگ ڈھنگ سے ترتیب دیا ہے۔ ابنِ عباس نقل کرتے ہیں کہ ایک دن امیر المومنین علیہ السلام رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے ایک ایسا تبسم کے ساتھ، جو اپنے محبوب کی ایک اور فضیلت کے اظہار کا پتہ دے رہی تھی، فرمایا: خوش آمدید اس ہستی کو جسے اللہ نے ہر چیز سے پہلے پیدا کیا۔ جب ابنِ عباس نے حیرت سے پوچھا کہ کیا بیٹا باپ سے پہلے پیدا ہو سکتا ہے؟ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے حضرت آدم علیہ السلام پر اپنے اور امیر المومنین علیہ السلام کے نور کی چالیس ہزار سالہ سبقت پر تاکید فرمائی۔[1]

۲۔ نورُ الانوار؛ وجودی تقدّم کا سرچشمہ

اگر ہم مخلوقات پر اس سبقت کے مفہوم کو ذرا گہرائی سے سمجھنا چاہیں، تو ہمیں جاننا ہوگا کہ اس کی ابتدا ان ہستیوں کی "نوری خلقت" میں ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کی نوری خلقت سے متعلق روایات اپنے مواد کے اعتبار سے اس قدر سنگین اور پر معنی ہیں کہ عقل کو حیرت و استعجاب میں چھوڑ دیتی ہیں۔ یہ نور کوئی عام نور نہیں ہے؛ بلکہ کبھی اسے "نورِ عظمتِ الٰہی" کہا گیا ہے[2] اور کبھی "نورِ جلالِ الٰہی" جو آسمانوں اور زمین سے پہلے پروردگار کے عرش کے سامنے تسبیح و تقدیس میں مصروف تھیں۔[3] امامِ صادق علیہ السلام ایک عمیق تجزیے میں اس مبدأ کو "نورُ الانوار" کا نام دیتے ہیں؛ وہ نور جس سے عالم کے تمام انوار نے روشنی پائی ہے۔[4] اسی لیے ہم امیر المومنین علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں: **اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نُورَ الْأَنْوَارِ** (سلام ہو آپ پر اے تمام نوروں کی ضیاء)۔[5] اس سے واضح ہوتا ہے کہ دنیا و ما فیہا، اور کائنات میں جہاں بھی وجود کا ڈیرا ہے سب کچھ اہل بیت کے سبب ہے۔

۱۔ دیلمی، إرشاد القلوب، جلد ۲، صفحہ ۴۰۴: (عن رسول الله صلی الله علیه وآله: ...خَلَقَنِي اَللّٰهُ وَ عَلِيّاً قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ آدَمَ عَلَيْهِ اَلسَّلاَمُ بِأَرْبَعِينَ أَلْفَ عَامٍ... كَانَ اَلاِبْنُ قَبْلَ اَلْأَبِ؟ فَقَالَ نَعَمْ۔)

۲۔ ابن شاذان، الفضائل، جلد ۱، صفحہ ۱۲۸: (أَنَّ اَللّٰهَ تَعَالَى خَلَقَنِي وَ خَلَقَ عَلِيّاً مِنْ نُورِ عَظَمَتِهِ۔)

۳۔ استرآبادی، تأویل الآیات، جلد ۱، صفحہ ۴۷۹: (رسول الله صلی الله علیه وآله: ...خَلَقَنِي وَ خَلَقَكَ رُوحَيْنِ مِنْ نُورِ جَلاَلِهِ، وَ كُنَّا أَمَامَ عَرْشِ رَبِّ اَلْعَالَمِينَ نُسَبِّحُ اَللّٰهَ...)

۴۔ کلینی، الکافی، جلد ۱، صفحہ ۴۴۱: (امام صادق علیه السلام: ...خَلَقَ نُورَ اَلْأَنْوَارِ اَلَّذِي نُوِّرَتْ مِنْهُ اَلْأَنْوَارُ...وَ هُوَ اَلنُّورُ اَلَّذِي خَلَقَ مِنْهُ مُحَمَّداً وَ عَلِيّاً۔)

۵۔ مشهدی، المزار الکبیر، جلد ۱، صفحہ ۳۰۲: (اَلسَّلاَمُ عَلَيْكَ يَا نُورَ اَلْأَنْوَارِ۔)

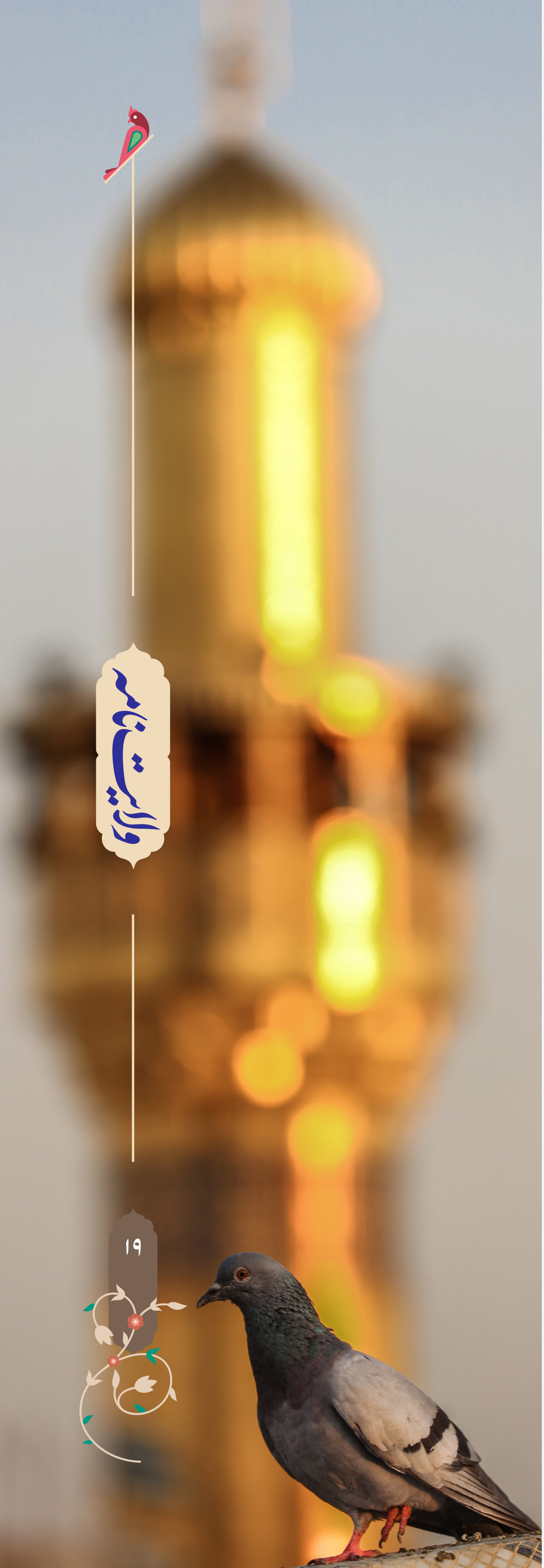

۳۔ اس نور کی معرفت میں حیرانی

اس نوری سبقت اور آغازِ تخلیق کی عظمت کو جان لینے کے بعد انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اس نے معرفت کے اس سمندر تک کوئی راستہ پا لیا ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم جتنا اس پر معنی دریا میں غوطہ زن ہوتے ہیں، ہماری حیرت اور تعجب میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ نوری خلقت کی روایات معنوی اعتبار سے اس قدر بلند اور حیران کن ہیں کہ گویا عام عقلوں کے لیے ان پر قفل لگا دیے گئے ہیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ ایک مختصر مگر چونکا دینے والی عبارت میں اس معرفت کی حد و سرحد کا تعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یقیناً علی علیہ السلام کا ایک ایسا حق ہے جسے اللہ اور میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔[1]

یہ "ناشناختہ حق" ایسا ہے کہ نوری خلقت کی تمام خبریں پڑھ لینے کے بعد بھی اس کی اصل حقیقت ہم پر پوشیدہ ہی رہتی ہے۔ ہم صرف اس بلند و بالا پہاڑ کے سائے کے سامنے کھڑے ہیں اور امیر المومنین علیہ السلام کی حقیقت ہماری معرفت سے مکمل طور پر غائب ہے۔

۱۔ شوشتری، احقاق الحق، جلد ۵، صفحہ ۱۲۱: (إنّ لعلی حقّا لا یعلمه إلا الله وأنا۔)

۴۔ مالکِ اسباب

نظامِ خلقت، اسباب و مسببات کا نظام ہے۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ کوئی کام اسباب کے بغیر انجام دے" اور اسی لیے اس نے ہر "سبب" کے لیے ایک "شرح" اور ہر شرح کے لیے ایک "علم" اور ہر علم کے لیے ایک "بابِ ناطق" قرار دیا اور ان سب کے مصداق پیغمبر اور ان کی آل علیہم السلام ہیں۔[۱] امیر المومنین علیہ السلام نے خود ایک طویل خطبے میں اس راز سے پردہ اٹھایا اور فرمایا: "میں وہ بلند اور استوار پہاڑ ہوں جو صاحبِ اسباب ہے"۔[۲] یعنی وجودِ ہستی اور تمام مخلوقات اپنے وجود اور اس کی بقا کے لیے آپؑ کے محتاج ہیں۔

یہ سببی تعلق اس قدر مضبوط ہے کہ انسان کی تخلیق بلکہ ابوالبشر کی خلقت بھی اسی سے وابستہ ہے۔ ایک حدیثِ قدسی میں پروردگارِ متعال حضرت آدم علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے: "اگر وہ دو بندے نہ ہوتے جنھیں میں آخری زمانے میں خلق کرنا چاہتا ہوں، تو میں یقیناً تمھیں بھی خلق نہ کرتا"۔[۳] پس آدم علیہ السلام کی تمام ذریت، سانس لینے سے لے کر کمال تک، ان دو انوار کی مرہونِ منت ہے جن کے نام عرش کے پائے پر چمک رہے ہیں۔[۴] آپ ہی آسمان اور زمین کے درمیان وہ "سببِ ممدود" (تنی ہوئی رسی) ہیں جس کے ذریعے ہر امر اور تدبیر مخلوق تک پہنچتی ہے۔[۵]

۱۔ صفار، بصائر الدرجات، جلد ۱، صفحہ ۶: (أَبَى ٱللَّهُ أَنْ يُجْرِيَ ٱلْأَشْيَاءَ إِلاَّ بِٱلْأَسْبَابِ... ذَٰلِكَ رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ نَحْنُ۔)

۲۔ بحرانی، مدينة المعاجز، جلد ۱، صفحہ ۲۴۷: (أمير المؤمنين عليه السلام: أنا الطود ذو الأسباب۔)

۳۔ راوندی، قصص الأنبياء، جلد ۱، صفحہ ۵۲: (وَلَا عَبْدَانِ أُرِيدُ أَنْ أَخْلُقَهُمَا فِي آخِرِ الزَّمَانِ مَا خَلَقْتُكَ... لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ نَبِيُّ الرَّحْمَةِ وَعَلِيٌّ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ۔)

۴۔ ایضاً

۵۔ مشهدی، المزار الكبير، جلد ۱، صفحہ ۲۴۴: (أَنْتُمْ يَا سَادَاتِي... وَ ٱلسَّبَبُ ٱلْمَمْدُودُ مِنَ ٱلسَّمَاءِ إِلَى ٱلْأَرْضِ۔)

۵۔ وہ مقصد جس کے لیے جہان قائم ہے

اگر ہم پوچھیں کہ ہستی کی دیواروں پر یہ تمام نقش و نگار کس لیے ہیں؟ جن و انس کی تخلیق اور اس آمد و رفت کا مقصد کیا ہے؟ تو قرآن جواب دیتا ہے: "لِيَعۡبُدُونِ" تاکہ وہ میری عبادت کریں۔[1] لیکن یہ عبادت و بندگی کیا ہے؟ امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کے درمیان فرمایا: (خداوند نے بندوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ اسے پہچانیں، اور جب پہچان لیں تو اس کی عبادت کریں۔ اور اس سوال کے جواب میں کہ خدا کی معرفت کیا ہے؟، آپؑ نے فرمایا: "اپنے زمانے کے امام کی معرفت، جس کی اطاعت سب پر واجب ہے۔[2]

اس بنا پر، محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی ولایت ہی خلقت کا اصلی مقصد ہے۔ جیسا کہ امامِ حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں: "یقیناً محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی ولایت ہی اعلاترین مقصد اور غرض ہے؛ اللہ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا اور کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا مگر یہ کہ انھیں محمد و علی اور ان کے جانشینوں علیہم السلام کی ولایت کی طرف دعوت دی۔ اللہ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا مگر ان کی ولایت کی دعوت دینے کے لیے۔[3]

خدا اپنے ولی کے سوا کسی اور راستے سے نہیں پہچانا جاتا۔ اور یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ یہ سلسلہ وار معرفت لازمی طور پر "پہلے" کی طرف پلٹتی ہے۔ امام صادق علیہ السلام نے اس شخص کے لیے جو یہ گمان کرتا تھا کہ اپنے زمانے کے امام کی معرفت کافی ہے اور پہلے اماموں کی معرفت کی ضرورت نہیں، آپ نے سخت لہجے میں فرمایا: "خدا اس پر لعنت کرے... کیا آخری امام کی معرفت پہلے امام کے بغیر ممکن ہے؟"[4]

پس تخلیق کا مقصد خدائے متعال کی معرفت تک پہنچنا ہے اور یہ

۱۔ سورہ ذاریات، آیت ۵۶۔

۲۔ صدوق، علل الشرایع، جلد ۱، صفحہ ۹: (امام حسین علیہ السلام: مَا خَلَقَ ٱلۡعِبَادَ إِلاَّ لِيَعۡرِفُوهُ... مَعۡرِفَةُ أَهۡلِ كُلِّ زَمَانٍ إِمَامَهُمُ ٱلَّذِى يَجِبُ عَلَيۡهِمۡ طَاعَتُه)

۳۔ التفسیر الإمام العسکری علیہ السلام، جلد ۱، صفحہ ۳۷۹: (إنّ ولایة محمّد [و آل محمّد] هی الغرض الأقصی والمراد الأفضل...)

۴۔ کلینی، الکافی، جلد ۱، صفحہ ۳۷۳: (امام صادق علیہ السلام: ...وَ هَلۡ عُرِفَ ٱلآخِرُ إِلاَّ بِٱلۡأَوَّلِ؟)

راستہ صرف امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت کی گلی سے گزرتا ہے۔ایک رات جب حضرت موسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلا، خدا سے محوِ مناجات تھے تو اللہ عزوجل نے فرمایا: کہ میں اس شخص کی نماز قبول کرتا ہوں جو میرے اولیا کے حق کو پہچانے؛ وہی جن کی خاطر میں نے اپنے آسمان، زمین، جنت اور دوزخ کو خلق کیا ہے۔[۱]

۶۔ تمام راستے غدیر پر ختم ہوتے ہیں

تخلیق کی نوری اور سبھی تہوں میں سیر کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ولایت کی تبلیغ میں الٰہی تدبیر خلقتِ نوری کے پہلے لمحات سے ہی شروع ہو چکی تھی۔ غدیر کا واقعہ اور ولایتِ امیر المؤمنین کا اعلان، سنہ ۱۰ ہجری کوئی اچانک پیش آنے والا واقعہ نہیں تھا، بلکہ یہ اس عہد کی تعمیل تھی جو وقت کی تخلیق سے پہلے لیا گیا تھا۔ الٰہی تدبیر اسی بات پر استوار ہے کہ تمام موجودات کو اپنے کمال تک پہنچنے کے لیے اسی نوری محور کے گرد طواف کرنا ہوگا۔ امیر المومنین علیہ السلام (سببِ خلقت) بھی ہیں اور مقصدِ خلقت بھی۔آپ کی پہچان ہی خدا کی پہچان ہے اور آپؑ کی ولایت ہی وہ واجب حق ہے جس کی ادائیگی کے لیے تمام موجودات کو وجود بخشا۔ جس نے آپؑ کو پہچان لیا اس نے اندھیروں میں اجالا پا لیا اور جو آپؑ کے حق سے غافل رہا، اس نے درحقیقت اپنی تخلیق کا مقصد ہی گم کر دیا۔ غدیر، اس آسمانی حقیقت کی زمینی یاددہانی اور تکرار ہے جس پر عرش وفرش کی بنیاد رکھی گئی ہے؛ وہ حقیقت جو پکار پکار کر کہتی ہے:

جہان علیؑ کے لیے ہے اور علیؑ خدا کے لیے۔

۱۔ عاملی، کلیات حدیث قدسی، جلد۱، صفحہ ۵۲۷: (إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَىٰ قَالَ لِمُوسَىٰ...وَعَرَفَ حَقَّ أَوْلِيَائِيَ الَّذِينَ لِأَجْلِهِمْ خَلَقْتُ سَمَاوَاتِي وَأَرْضِي... مُحَمَّدٍ وَعِتْرَتِهِ۔)

کائنات کے ذمے ایک امانت

کائنات کی اس بستی میں کوئی بھی شے عہد و پیمان کے بغیر وجود میں نہیں آئی۔ اس مادی دنیا کی آرائش سے پہلے، جب نہ یہ ستارے تھے اور نہ کہکشائیں، اور اس سے بھی پہلے کہ زمین آدم کے خاکی وجود کا مسکن بنتی، بارگاہِ الٰہی میں ایک عظیم الشان ضیافت کا اہتمام ہوا جس میں کائنات کا ذرہ ذرہ شریک تھا۔ وہاں تذکرہ ایک ایسی امانت کا تھا جسے اٹھانے کی ہمت نہ زمین میں تھی نہ آسمان میں، مگر انسان کی حقیقت اور تمام مخلوقات نے عالمِ ذر میں اس بوجھ کو اٹھانے کا بیڑا اٹھایا۔ یہ وہ تین رکنی پیمان تھا جس کا تعلق زمین سے بھی ہے اور آسمان سے بھی: یعنی اللہ کی ربوبیت، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی نبوت اور علی مرتضیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی ولایت۔ اب یہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ غدیر کا عہد دراصل اسی ازلی پکار کی ایک گونج ہے، جو تخلیق کے پہلے لمحے میں انسانی فطرت نے "بلیٰ" کہہ کر دی تھی۔

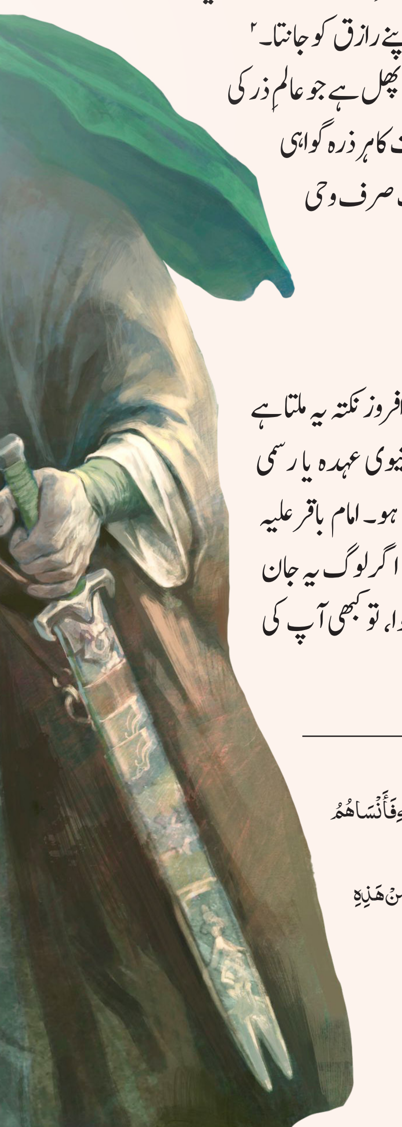

۱۔ عالمِ ذر؛ حقیقت سے روبرو ہونا

خداوندِ متعال اپنی کتابِ مبین میں اس عظیم لمحے کا ذکر فرماتا ہے، جب اُس نے اولادِ آدم کو ان کی پشتوں سے نکالا اور خود ان کے وجود پر انھیں گواہ بنایا: **(وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى...)**[۱]۔ یعنی جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل برآمد کی اور ان سے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب پکار اٹھے: "کیوں نہیں! ہم اس پر گواہ ہیں"۔

امام صادق علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق، یہ پروردگار کے ساتھ ایک براہِ راست اور روبرو ملاقات تھی۔ خالقِ کائنات نے اس عالم میں اپنی تجلی تمام مخلوقات پر ظاہر فرمائی؛ پھر اس مشاہدے کی یاد تو ذہنوں سے مٹادی، مگر اس کے اقرار کو سینوں کی گہرائیوں میں نقش کر دیا۔ اگر وہ ازلی عہد نہ ہوتا، تو آج کوئی بشر نہ اپنے خالق کو پہچانتا اور نہ اپنے رازق کو جانتا۔[۲]

آج ہمارے دلوں میں "خداشناسی" کی جو رمق باقی ہے، یہ اسی بیج کا پھل ہے جو عالمِ ذر کی زمین میں بویا گیا تھا۔ یہ ملاقات معرفت کی وہ بنیاد ہے جس پر کائنات کا ہر ذرہ گواہی دے رہا ہے، اور جسے دنیا کی چہل پہل میں بھول جانے کے بعد، اب صرف وحی کی دستک ہی سے یاد کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ امیر المومنین: ازل کی مہر، ابد کا عنوان

اہلِ بیت علیہم السلام کی روایات میں ایک نہایت لطیف اور بصیرت افروز نکتہ یہ ملتا ہے کہ "امیر المومنین" کا لقب، عامہ کے گمان کے برعکس، کوئی دنیوی عہدہ یا رسمی خطاب نہیں ہے جو ہجرت کے بعد یا غدیر کے مقام پر بنایا کیا گیا ہو۔ امام باقر علیہ السلام امت کی بے خبری پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر لوگ یہ جان لیتے کہ یہ منصبِ جلی علی ابنِ ابی طالب علیہما السلام کو کب عطا ہوا، تو کبھی آپ کی ولایت سے منہ نہ موڑتے۔[۳]

۱۔ سورہ اعراف، آیت ۱۷۲۔

۲۔ المحاسن، جلد ۱، صفحہ ۲۸۱: (عَنْ أَبِي عَبْدِ اَللَّهِ عَلَيْهِ اَلسَّلاَمُ: كَانَ ذَلِكَ مُعَايَنَةَ اَللَّهِ فَأَنْسَاهُمُ اَلْمُعَايَنَةَ وَأَثْبَتَ اَلْإِقْرَارَ فِي صُدُورِهِمْ...)

۳۔ تفسیر فرات الکوفی، جلد ۱، صفحہ ۱۴۶: (امام باقر علیہ السلام: لَوْ أَنَّ اَلْجُهَّالَ مِنْ هَذِهِ اَلْأُمَّةِ يَعْرِفُونَ مَتَى سُمِّيَ أَمِيرَ اَلْمُؤْمِنِينَ لَمْ يُنْكِرُوا...)

حقیقت تو یہ ہے کہ جب عالمِ اظلہ [1] میں پروردگارِ عالم آدم اور اولادِ آدم سے عہد لے رہا تھا، تو "أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) کا سوال تنہا نہ تھا، بلکہ یہ دو اور گواہیوں کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ اسی مقام پر خالقِ کائنات نے علی بن ابی طالب صلی اللہ علیہما وآلہما کو "امیرِ مومنین" کے لقب سے پکارا۔ [2] دراصل ربوبیت کا اقرار ہدایت کے پورے نظام کے بغیر مکمل نہ تھا؛ چنانچہ روایت کے مطابق جب یہ عہد لیا گیا تو جواب میں سب نے پکارا: "ہاں! تو ہی ہمارا رب ہے، محمد اللہ کے رسول ہیں اور علیؑ مومنوں کے امیر ہیں"۔ [3]

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ کی ولایت کا فرمان، زمین پر سنائے جانے سے ہزاروں سال پہلے، کائنات کے بنیادی آئین میں درج کیا جا چکا تھا۔ علی علیہ السلام تو ان نفوس کے امیر اسی دن بن گئے تھے، جنھوں نے عالمِ ذر میں سب سے پہلے رب کی پکار پر لبیک کہا تھا۔

۳۔ امامت؛ میثاقِ الست کا اساسی رکن

عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ "عہدِ الست" محض توحید کے ایک سادہ اور محدود ادراک کا نام تھا؛ لیکن امامِ جعفرِ صادق علیہ السلام نے اس کی جو بلند پایہ تفسیر بیان فرمائی ہے، وہ بصیرت کے نئے در وا کرتی ہے۔ آپؑ کے فرمان کے مطابق، یہ میثاقِ عظیم دراصل تین مستحکم ستونوں پر استوار تھا: خدا کی ربوبیت، رسولؐ کی نبوت اور ائمہؑ کی امامت۔ [4] یہ کوئی سرسری اقرار نہیں، بلکہ ایک مکمل اعتقادی نظام اور بندگی کا مکمل ضابطہ تھا۔ اس روزِ ازل، بارگاہِ الٰہی سے یہ سوال گونجا: کیا میں تمہارا پروردگار، محمد تمھارے پیغمبر اور علی و ائمہ ہدایت تمہارے پیشوا نہیں

۱۔ عالم ذر کو روایات میں عالمِ اظلہ بھی کہا گیا ہے۔ رجوع کریں: تفسیر فرات کوفی جلد۱، صفحہ ۱۳۶۔

۲۔ ایضاً، (فَوَاللَّهِ لَسَمَّاهُ اللَّهُ تَعَالَى أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الْأَظِلَّةِ حَيْثُ أَخَذَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ الْمِيثَاقَ۔)

۳۔ ایضاً، (...وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللَّهِ وَأَنَّ عَلِيّاً أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ فَوَاللَّهِ لَسَمَّاهُ اللَّهُ تَعَالَى أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الْأَظِلَّةِ)

۴۔ تفسیر القمی، جلد۱، صفحہ ۲۴۶: (امام صادق علیہ السلام: كَانَ الْمِيثَاقُ مَأْخُوذاً عَلَيْهِمْ لِلَّهِ بِالرُّبُوبِيَّةِ وَلِرَسُولِهِ بِالنُّبُوَّةِ وَلِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْأَئِمَّةِ بِالْإِمَامَةِ)

ہیں؟ کائنات کی ہر روح نے یک زبان ہو کر پکارا: "بلیٰ" کیوں نہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں!۔[1]

یہ الٰہی تدبیر اس لیے تھی تاکہ روزِ محشر کوئی یہ عذر پیش نہ کر سکے کہ ہم "مقامِ ولایت" سے بے خبر یا غافل تھے۔[2] حقیقت تو یہ ہے کہ بندگی کے اس امتحان میں خدا کی ربوبیت کا اقرار نبوت کے بغیر، اور نبوت کا اعتراف ولایت کے بغیر قبول ہی نہیں کیا گیا۔

چنانچہ غدیر کے میدان میں ولایتِ امیر المؤمنین کا اعلان، دراصل اسی ازلی پیمان کی یاد دہانی ہے تاکہ بنی نوع انسان پر یہ حقیقت واضح رہے کہ: قبولِ ولایت کوئی اتفاقی امر نہیں، بلکہ انسانیت کی فطرت اور اس کی تخلیق کی بنیاد کا ناگزیر حصہ ہے۔

۴۔ انبیائے کرام؛ عہد و پیمان میں پیش قدمی

تدبیرِ الٰہی کا شاہکار یہ تھا کہ اس عظیم عہد کی ترتیب میں سب سے پہلے خدا کے برگزیدہ بندوں کو دعوتِ اقرار دی گئی۔ قرآنِ کریم اس عالمگیر سچائی کی گواہی یوں دیتا ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ﴾[3] (جب ہم نے نبیوں سے ان کا میثاق لیا)۔ خداوند نے سب سے پہلے ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا اور ان میں سے پانچ برگزیدہ پیغمبروں "اولو العزم" کو برتری عطا فرمائی جن کے سر پر ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو رکھا تاکہ آپ کی مطلق برتری کو جہان والوں کے سامنے ظاہر کر سکے۔[4]

۱۔ ایضاً، (امام صادق علیہ السلام: فَقَالَ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ وَمُحَمَّدٌ (صلی اللہ علیہ وآلہ) نَبِيُّكُمْ وَعَلِيٌّ (علیہ السلام) إِمَامُكُمْ وَالْأَئِمَّةُ الْهَادُونَ أَئِمَّتُكُمْ فَقالُوا بَلَى۔)

۲۔ ایضاً (امام صادق علیہ السلام: فَقَالَ اللَّهُ شَهِدْنا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيامَةِ أَيْ لِئَلَّا تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هذا غافِلِينَ۔)

۳۔ سورہ احزاب، آیت ۷۔

۴۔ تفسیر القمی، جلد ۱، صفحہ ۲۴۶: (امام صادق علیہ السلام: فَأَوَّلُ مَا أَخَذَ اَللَّهُ عَزَّوَجَلَّ اَلْمِيثَاقَ عَلَى اَلْأَنْبِيَاءِ بِالرُّبُوبِيَّةِ... ثُمَّ أَبْرَزَ أَفْضَلَهُمْ بِالْأَسَامِي فَقَالَ وَمِنْكَ يَا مُحَمَّدُ۔)

عالمِ ذر میں پیمانِ الٰہی کی وسعت کا عالم یہ تھا کہ خداوندِ متعال نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے یہ پختہ عہد لیا کہ وہ نہ صرف رسولِ خاتم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی حقانیت پر ایمان لائیں گے، بلکہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی نصرت کا فریضہ بھی سرانجام دیں گے۔[1] قرآنِ حکیم اس عالم گیر میثاق کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ[2] (جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت دے دوں، پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے، تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا)۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیۂ مبارکہ کی حقانیت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ نے انبیا کو حکم دیا کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ پر ایمان لائیں اور امیر المومنینؑ کی نصرت فرمائیں۔[3] انبیا علیہم السلام کی یہ نصرت محض ایک قلبی اقرار یا باطنی اعتراف تک محدود نہ تھی بلکہ ان عظیم ہستیوں کی ذمہ داری لگائی گئی تھی کہ وہ اپنی اپنی امتوں کے درمیان "ولایت" کی اس عظیم خبر کو عام کریں۔[4] گویا تاریخِ نبوت کی ہر کڑی کو ولایت کے اسی حق کی گواہی کے لیے منظّم کیا گیا ہے۔

۱۔ ایضاً، (امام صادق علیہ السلام: ثُمَّ أَخَذَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِيثَاقَ رَسُولِ اللَّهِ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ لَهُ بِالْإِيمَانِ بِهِ وَعَلَى أَنْ يَنْصُرُوا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ۔)

۲۔ سورہ آل عمران، آیت ۸۱۔

۳۔ تفسیر القمی، جلد۱، صفحہ ۲۴۶: (امام صادق علیہ السلام: يَعْنِي رَسُولَ اللَّهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ) لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ يَعْنِي أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ)

۴۔ ایضاً، (امام صادق علیہ السلام: تُخْبِرُوا أُمَمَكُمْ بِخَبَرِهِ وَ خَبَرِ وَلِيِّهِ مِنَ الْأَئِمَّةِ۔)

۵۔ غدیر؛ زمین پر میثاق کی تجلی

عالمِ ذر کی آیات و روایات کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کوئی بھی موجود ولایتِ امیر المؤمنین کی شناخت کے بغیر نہیں چھوڑا گیا۔ خداوند نے ولایت کو بشر کی فطرت کے حصے کے طور پر ان کی جانوں کی گہرائیوں میں ودیعت کر دیا۔ امیر المومنین علیہ السلام کی نصرت کے لیے انبیا سے پیمان لینا اس بات کی علامت ہے کہ تمام الٰہی ادیان ایک ہی حقیقت کی شاخیں ہیں جس کا مقصد ولایتِ امیر لامؤمنین ہے۔

اگر آج غدیر کا ذکر ہوتا ہے، تو در حقیقت یہ اسی عہد کی وفاداری کا ذکر ہے جو عالمِ ذر میں باندھا گیا تھا۔ خداوند نے غدیر کے میدان میں اسی میثاق کی یاددہانی کر کے سب پر حجت تمام کر دی۔ جو شخص غدیر میں امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت کرتا ہے، وہ در حقیقت عالمِ ذر میں اپنی اسی ازلی لبیک کی طرف لوٹ رہا ہے۔ یہ الٰہی تدبیر جو عالمِ ذر سے شروع ہوئی اور سابقہ انبیا کے سپرد کی گئی، غدیر میں اس کی عوامی سطح پر تبلیغ ہوئی جس کا ایک اہم مقصد یہ تھا کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہو کہ ہم اس امانت سے بے خبر تھے۔ جی ہاں! ولایتِ علی علیہ السلام وہ امانت ہے جو جسم کی تخلیق سے پہلے ہر جان پر لکھ دی گئی ہے؛ وہ پیمان جو کہتا ہے: خدا کی بندگی، اس کے امیر، علی علیہ السلام کی ولایت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

صحیفۂ ہستی
پر نامِ ولایت کی
کتابت

نامِ ولایت، کائنات کی پیشانی کا جھومر ہے؛ توحید وہ جوہرِ نایاب اور حلاوتِ پاک ہے جسے پروردگارِ کریم نے روحِ کائنات میں سمو دیا، مگر اس شہدِ مصفا کو اپنے "ولی" کے نام کے ساتھ اس لیے ہم آمیز رکھا کہ بندگی کا اصل ذائقہ معرفتِ امام کے بغیر ممکن نہ تھا۔

حریمِ توحید تک کسی کی رسائی ممکن نہیں، مگر یہ کہ وہ ولایتِ امیر المؤمنین صلی اللہ علیہ وآلہ کی دہلیز پر سجدہ ریز ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تدبیرِ الٰہی اسی بنیاد پر استوار ہے کہ کائنات کا کوئی بھی رکن اس وقت تک وجود کی نعمت سے سرفراز نہیں ہو سکتا، جب تک اس پر نامِ علی صلی اللہ علیہ وآلہ نقش نہ ہو جائے؛ تاکہ سب جان لیں کہ نظامِ ہستی کی نبض انہی کے نام سے دھڑکتی ہے۔

۱۔ توحید کی اساس، نامِ علی صلی اللہ علیہ وآلہ کی مٹھاس

تخلیق کے اولین لمحات میں، جب پروردگارِ عالم نے بساطِ خلقت بچھائی، تو حقائق کی کتابت کے لیے "قلم" کو خلق فرمایا۔ قلم، جو اسرارِ الٰہی کا پہلا راوی تھا، جب عظمتِ باری تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوا تو اسے حکم ملا: "لکھ!"۔ قلم نے پوچھا: "پروردگارا! کیا لکھوں؟" ندا آئی: "میری توحید لکھ"۔ اس خطاب کی مٹھاس اور کلامِ ربانی کی ہیبت سے قلم پر ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ وہ دس ہزار سال تک نشے میں ڈوبا رہا۔ جب ہوش آیا تو دوبارہ عرض کی: "کیا لکھوں"؟ ارشاد ہوا: "میری توحید لکھ"۔ تب قلم نے صفحۂ ہستی پر رقم کیا: **لا إله إلاّ الله، محمّد رسول الله، علي وليّ الله**

جب قلم ان مقدس ناموں کی کتابت سے فارغ ہوا، تو اس نے حیرت و اشتیاق سے پوچھا: "اے پروردگار! یہ کون ہستیاں ہیں جن کے ناموں کو تو نے اپنے نام کے ساتھ جوڑ دیا ہے؟" خداوندِ جلیل نے ارشاد فرمایا: "اے قلم! محمد میرے پیغمبر اور سب سے آخری رسول ہیں، اور علی میرے ولی، میرے جانشین اور میرے بندوں پر میری حجت ہیں۔ مجھے میری عزت وجلال کی قسم! اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو میں نہ تجھے پیدا کرتا اور نہ ہی لوحِ محفوظ کو"۔[1]

۲۔ ولایت: بقائے کائنات کا سبب اور کمال کی شرط

خالقِ کائنات نے تمام مخلوقات پر حجت تمام کرنے کے لیے ولایتِ امیر المؤمنین علیہ السلام کو "بنیادِ خلقت" قرار دیا اور علیؑ کا نام کائنات کے ہر اساسی رکن پر نقش کر دیا۔ یہ دراصل کائنات کا وہ "شناختی کارڈ" ہے جس سے ہر موجود کو یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ کس کے زیرِ سایہ سانس لے رہا

۱۔ بحرانی، غاية المرام وحجة الخصام، ج۱، ص۲۵: (إنّ الله تعالى خلق القلم وقال له: اكتب... قال: اكتب: لا إله إلاّ الله، محمّد رسول الله، عليّ وليّ الله... لولاهما ما خلقتك ولا خلقت اللوح المحفوظ۔)

ہے اور اس کی استواری و کمال کی شرط کیا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان لوگوں کے جواب میں جو حقیقت کو مسخ کر کے عرش پر دوسرے نام تراشنا چاہتے تھے، اس پوشیدہ راز سے پردہ اٹھایا اور ان مقامات کی نشاندہی فرمائی جہاں یہ الٰہی کتابت موجود ہے۔[1]

عرش، کرسی اور لوح کی بلندیوں پر

جب عرشِ اعظم کی تخلیق ہوئی، تو اس کے ستونوں اور پردوں پر لکھا گیا: **"لا إله إلاّ الله، محمّد رسول الله، علی أمير المؤمنين"**۔[2] یہی نقش کرسی اور لوحِ محفوظ پر بھی ثبت ہوا۔[3]

رواں دواں پانی کی موجوں میں

پانی ہر شے کی زندگی کا ضامن ہے، مگر خود پانی کی حیات نامِ ولایت کی مرہونِ منت ہے۔ خدا نے پانی کے بہاؤ کے راستوں میں لکھ دیا: **"لا إله إلاّ الله، محمّد رسول الله، علی أمير المؤمنين"**۔[4]

۱۔ ایضاً، (رَوَى الْقَاسِمُ بْنُ مُعَاوِيَةَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللَّهِ علیه السلام هَؤُلَاءِ يَرْوُونَ حَدِيثاً فِي مِعْرَاجِهِمْ أَنَّهُ لَمَّا أُسْرِيَ بِرَسُولِ اللَّهِ رَأَى عَلَى الْعَرْشِ مَكْتُوباً لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ غَيَّرُوا كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى هَذَا؟ قُلْتُ نَعَمْ)

۲۔ ایضاً، (قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ لَمَّا خَلَقَ الْعَرْشَ كَتَبَ عَلَيْهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ عَلِيٌّ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ)
دیلمی، إرشاد القلوب، ج ۲، ص ۴۰۳: (فَإِذَا عَلَى سَاقِ الْعَرْشِ مَكْتُوبٌ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَ عَلِيٌّ وَ فَاطِمَةُ وَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ خَيْرُ خَلْقِ اللَّهِ۔)

۳۔ ایضاً، (قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ الْكُرْسِيَّ كَتَبَ عَلَى قَوَائِمِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ عَلِيٌّ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَ لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ اللَّوْحَ كَتَبَ فِيهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ عَلِيٌّ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ)

۴۔ ایضاً، (قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ الْمَاءَ كَتَبَ فِي مَجْرَاهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ عَلِيٌّ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ)

جبرائیل کے شہپر اور اسرافیل کی جبیں پر

مقرب فرشتے بھی اس فیض سے سرشار ہیں۔ جبرائیلؑ کے پروں پر اور اسرافیلؑ کی پیشانی پر ولایتِ نبوی و امیر المؤمنین کا تمغہ سجا ہے۔[1] ایک روایت کے مطابق، جب فرشتوں نے عرش کے پائے پر "پنجتن پاک" کے نام دیکھے، تو جبرائیلؑ نے تمنا کی کہ کاش انھیں اس گھرانے کا "خادم" بنا دیا جائے۔ خدا نے دعا قبول فرمائی اور تب سے جبرائیلؑ فخر سے خود کو "خادمِ اہل بیت" کہنے لگے۔ یہ تحریر ہر ایک کے لیے شاہراہِ سعادت کی نشاندہی کرتی ہے، جس طرح اس نے ملائکہ کی رہنمائی کی تھی۔[2]

آسمان کے کناروں اور زمین کی تہوں میں

آسمان کے کناروں، زمین کی تہوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر نامِ امیر المؤمنین صلی اللہ علیہ وآلہ کندہ ہے تاکہ ان کا استحکام اسی نام کی برکت سے قائم رہے۔[3]

۱۔ ایضاً، (قَالَ لَمَّا خَلَقَ اَللَّهَ إِسْرَافِيلَ كَتَبَ عَلَى جَبْهَتِهِ... وَلَمَّا خَلَقَ اَللَّهَ جَبْرَئِيلَ كَتَبَ عَلَى جَنَاحَيْهِ)

۲۔ دیلمی، إرشاد القلوب، ج ۲، ص ۴۰۳: (قال رَسُولَ اَللَّهِ صَلَّى اَللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ... فَإِذَا عَلَى سَاقِ اَلْعَرْشِ مَكْتُوبٌ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اَللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اَللَّهِ وَ عَلِيٌّ وَ فَاطِمَةُ وَ اَلْحَسَنُ وَ اَلْحُسَيْنُ خَيْرُ خَلْقِ اَللَّهِ. فَقَالَ جَبْرَئِيلُ يَا رَبِّ فَأَسْأَلُكَ بِحَقِّهِمْ عَلَيْكَ أَنْ تَجْعَلَنِي خَادِمَهُمْ فَقَالَ اَللَّهُ تَعَالَى قَدْ فَعَلْتُ فَجَبْرَئِيلُ مِنْ أَهْلِ اَلْبَيْتِ وَ إِنَّهُ لَخَادِمُنَا)

۳۔ ایضاً، (قَالَ وَلَمَّا خَلَقَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ السَّمَاوَاتِ كَتَبَ فِي أَكْنَافِهَا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ عَلِيٌّ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَلَمَّا خَلَقَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ الْأَرَضِينَ كَتَبَ فِي أَطْبَاقِهَا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ عَلِيٌّ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ الْجِبَالَ كَتَبَ فِي رُءُوسِهَا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ عَلِيٌّ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ)

سورج اور چاند کے چہروں پر

سورج کی تمازت اور چاند کی چاندنی میں بھی ولایت کا نور شامل ہے۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "چاند میں جو سیاہی تم دیکھتے ہو، وہ دراصل حضرت علی علیہ السلام کے نام کی تحریر کا اثر ہے"۔[1]

مظاہرِ قدرتی اور موسمی عناصر پر

یہ نامِ مبارک ہوا، بجلی، بادل، گرج اور روشنی تک میں سرایت کر چکا ہے۔ خود امیر المؤمنین صلی اللہ علیہ وآلہ کا فرمان ہے: "میرا نام عرش پر لکھا گیا تو اسے قرار ملا؛ آسمانوں پر لکھا گیا تو وہ بلند ہوئے؛ زمین پر نقش ہوا تو وہ بچھائی گئی؛ ہوا پر لکھا گیا تو وہ چلنے لگی؛ بجلی پر لکھا گیا تو وہ گرجنے لگی؛ بادلوں پر لکھا گیا تو وہ برسنے لگے اور رات و دن پر لکھا گیا تو وہ اجالے اور اندھیرے کے نظام میں بندھ گئے۔[2] تپشِ فطرت ہو یا نظامِ کائنات، سب نامِ نامیِ ولایت کے فیض سے ہے۔ کسی بھی شے کو حصولِ مقصد میں کامیابی میسر نہیں آتی، جب تک اس کے قالب پر ولیِ خدا کے نام کی مہرِ تصدیق ثبت نہ ہو جائے۔

۱۔ ایضاً، ص۱۵۹: (لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الشَّمْسَ كَتَبَ عَلَيْهَا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ عَلِيٌّ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَلَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْقَمَرَ كَتَبَ عَلَيْهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ عَلِيٌّ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَهُوَ السَّوَادُ الَّذِي تَرَوْنَهُ فِي الْقَمَرِ۔)

۲۔ برسی، مشارق أنوار اليقين، ص ۲۰۶: (أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: أَنَا كَتَبَ اِسْمِي عَلَى الْعَرْشِ فَاسْتَقَرَّ... وَعَلَى الرِّيحِ فَذَرَتْ وَعَلَى الْبَرْقِ فَلَمَعَ... وَعَلَى الرَّعْدِ فَخَشَعَ۔)

بہشت کی رونق

جنت کے دروازے پر تخلیقِ کائنات سے دو ہزار سال پہلے یہ عبارت رقم تھی: **لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ، علی اخو رسول اللہ**۔[1] یہاں تک کہ حورِ عین کے دائیں رخسار پر نامِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ، بائیں پر نامِ علی علیہ السلام اور لبوں پر **"بسم اللہ"** کی عبارت نقش کی گئی ہے۔[2]

بیت المقدس اور سدرۃ المنتہیٰ پر

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: "معراج کے دوران جب میں بیت المقدس پہنچا، تو وہاں کی ایک چٹان پر لکھا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اس کے رسول ہیں جن کی تائید و نصرت ان کے وزیر علیؑ کے ذریعے کی گئی"۔ یہی تحریر سدرۃ المنتہیٰ کی شاخوں پر بھی موجود ہے۔[3]

لوائے الحمد کے پھریرے پر

محشر کے اضطراب میں ایک پرچم لہرایا جائے گا جسے لوائے حمد کہا جاتا ہے کہ جس کے ستون سرخ یاقوت کے ہوں گے اور اس پر لکھا ہوگا کہ **(لا إلهَ إلَّا اللهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ، أَيَّدْتُهُ بِعَلِيٍّ)** یعنی اللہ نے اپنے نبی کی نصرت علیؑ کے ذریعے فرمائی۔ یہ پرچم اس ہستی کے ہاتھ میں ہوگا جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہو گی۔[4]

۱۔ صدوق، الخصال، ج ۲، ص ۶۳۸: (قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ صَلَّى اَللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ: مَكْتُوبٌ عَلَى بَابِ اَلْجَنَّةِ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اَللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اَللَّهِ عَلِيٌّ أَخُو رَسُولِ اَللَّهِ...)

۲۔ شاذان بن جبرئیل، الروضۃ فی فضائل امیر المومنین، ص ۴۲؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۸، ص ۲۱۴ (نقل از جامع الاخبار): (مَكْتُوبٌ عَلَى خَدِّهَا اَلْأَيْمَنِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اَللَّهِ وَ عَلَى خَدِّهَا اَلْأَيْسَرِ عَلِيٌّ وَلِيُّ اَللَّهِ...)

۳۔ صدوق، من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۴، ص ۳۵۲: (قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ صَلَّى اَللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ: يَا عَلِيُّ... إِنِّي لَمَّا بَلَغْتُ بَيْتَ المَقدِسِ فِي مِعراجِي إِلَى السَّماءِ وَجَدتُ عَلَى صَخرَتِها: لا إِلهَ إِلّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسولُ اللهِ، أَيَّدتُهُ بِوَزيرِهِ، ونَصَرتُهُ بِوَزيرِهِ... لَمَّا اِنْتَهَيْتُ إِلَى سِدْرَةِ اَلْمُنْتَهَى وَجَدْتُ مَكْتُوباً عَلَيْهَا: إِنِّي أَنَا اَللَّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ أَنَا وَحْدِي مُحَمَّدٌ صَفْوَتِي... أَيَّدْتُهُ بِوَزِيرِهِ وَ نَصَرْتُهُ بِوَزِيرِهِ.)

۴۔ فرات الکوفی، تفسیر فرات الکوفی، ج ۱، ص ۴۵۶: (قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ صَلَّى اَللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: ...أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ لِلَّهِ لِوَاءً مِنْ

قلبِ مومن: کتابت کی آخری منزل

اس تحریر کا سب سے خوبصورت اور بلند و بالا مقام پہاڑ کی چٹانیں نہیں بلکہ "مومن کا دل" ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں: ہم اہل بیت کی محبت وہ شے ہے جسے خدا مومن کے دل کے دائیں جانب خود لکھتا ہے، اور جس کے دل پر خدا لکھ دے، اسے کوئی مٹا نہیں سکتا۔

حقیقت میں ایمان، ولایتِ امیر المؤمنین علیہ السلام ہی کا دوسرا نام ہے جو قلمِ الٰہی سے محبوں کی روح پر نقش کر دیا گیا ہے۔ اور یہی اس آیۂ شریفہ کا معنی ہے "**أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ**"[1]

امامِ صادق علیہ السلام نے ہمیں اس مقام تک پہنچنے کے لیے حکم دیا ہے: اس امرِ ولایت کو اللہ کے لیے خالص کر لو؛ کیوں کہ جب بھی اللہ کسی بندے کو اس دین میں داخل کرنا چاہتا ہے، تو ہمارا نام اس کے دل پر رقم کر دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ ہماری ولایت کی طرف اس طرح دوڑا چلا آتا ہے جیسے پرندہ اپنے گھوسلے کی طرف پرواز کرتے ہوئے جاتا ہے۔[2]

۳۔ علی صلی اللہ علیہ وآلہ کا نام ہی کیوں؟

آیات اور ان کثیر و متواتر روایات کے مجموعے سے تین بڑے نتائج حاصل ہوتے ہیں جو فہمِ غدیر کی بنیاد ہیں:

اوّل: مقصدِ تخلیق کا تعین اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پر امیر المؤمنین علیہ السلام کا نام اس لیے رقم کیا تاکہ ان کی حرکت کی "سمت اور رخ" متعین کر دے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: ہم ہی وہ نام ہیں جو عرش پر لکھے ہوئے ہیں؛ اور ہماری ہی خاطر اللہ نے آسمانوں، زمین، جنت اور دوزخ کو پیدا کیا۔[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ذرے کی تخلیق

نُورٍ... مَكْتُوبٌ عَلَى ذَلِكَ اللِّوَاءِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ أَيَّدْتُهُ بِعَلِيٍّ.)

۱۔ سورہ مجادلہ، آیہ ۲۲

۲۔ کلینی، الکافی، ج ۲، ص ۲۱۳: (اِجْعَلُوا أَمْرَكُمْ هَذَا لِلَّهِ... إِذَا كَتَبَ اللَّهُ عَلَى عَبْدٍ أَنْ يُدْخِلَهُ فِي هَذَا الْأَمْرِ كَانَ أَسْرَعَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّيْرِ إِلَى وَكْرِهِ.)

۳۔ حلی، المحتضر، ج ۱، ص ۱۲۹: (نَحْنُ الْأَسْمَاءُ الْمَكْتُوبَةُ عَلَى الْعَرْشِ وَلِأَجْلِنَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ...)

کا مقصد ولیِ خدا کی پہچان ہے۔ ہر موجود کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ نظامِ ولایت کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

دوم: ناموں کے ملاپ اور وحدت کا لزوم یہ ایک اٹل الٰہی قانون ہے: جہاں بھی "اللہ" کا نام ہے، وہاں "محمد" اور "علی" کا نام بھی ہونا چاہیے۔ امام صادق علیہ السلام نے قاسم بن معاویہ سے فرمایا: "جب بھی تم میں سے کوئی **"لا إله إلاّ الله"** اور **"محمّد رسول الله'** کہے، تو اسے لازمی طور پر **'علي أميرُ المؤمنين'** بھی کہنا چاہیے۔ یہ وہ "ادبِ توحیدی" ہے جسے اللہ نے خود مخلوقات کی فطرت میں رکھا ہے اور ہم پر بھی واجب کیا ہے۔

سوم: فائدے اور ہدایت کی شرط جیسا کہ روایت نے ہمیں سکھایا، اشیا صرف اسی وقت "مفید" اور "مستحکم" ہوئیں اور اپنے مقصد کی طرف بڑھیں جب ان پر علی صلی اللہ علیہ و آلہ کا نام لکھا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نظامِ ربوبیت میں بھی کوئی عمل مقبول اور کوئی دل ہدایت یافتہ نہیں ہے، جب تک اس پر ولایتِ امیر المؤمنین کی مہر نہ لگی ہو۔ ولایت کائنات کا وہ "مرکزی نقطہ" ہے جس کے بغیر وجود کا دائرہ نامکمل رہتا ہے۔

کلمات اور روایات کے اس نوری سفر میں ہم واضح طور پر یہ پاتے ہیں کہ تمام مظاہرِ قدرت پر امیر المؤمنین کے نام کی کتابت نے "مقصدِ تخلیق" کو واضح کر دیا ہے؛ یعنی جہان اس لیے پیدا کیا گیا تا کہ خلیفۃ اللہ کی پہچان کا بستر بن سکے۔ اگر ان کا مبارک نام موجودات، چاند، سورج، ہوا اور بارش پر نقش ہوا، تو وہ اس لیے ہے کہ یہ اشیا "مفید" واقع ہوں؛ کیوں کہ ولایت کے بغیر موجودات بے ثمر اور ابتر ہیں۔

امام رضا علیہ السلام نے ایک حیرت انگیز بیان میں غدیر کو عالم کے تمام گوشوں پر "ولایت کی

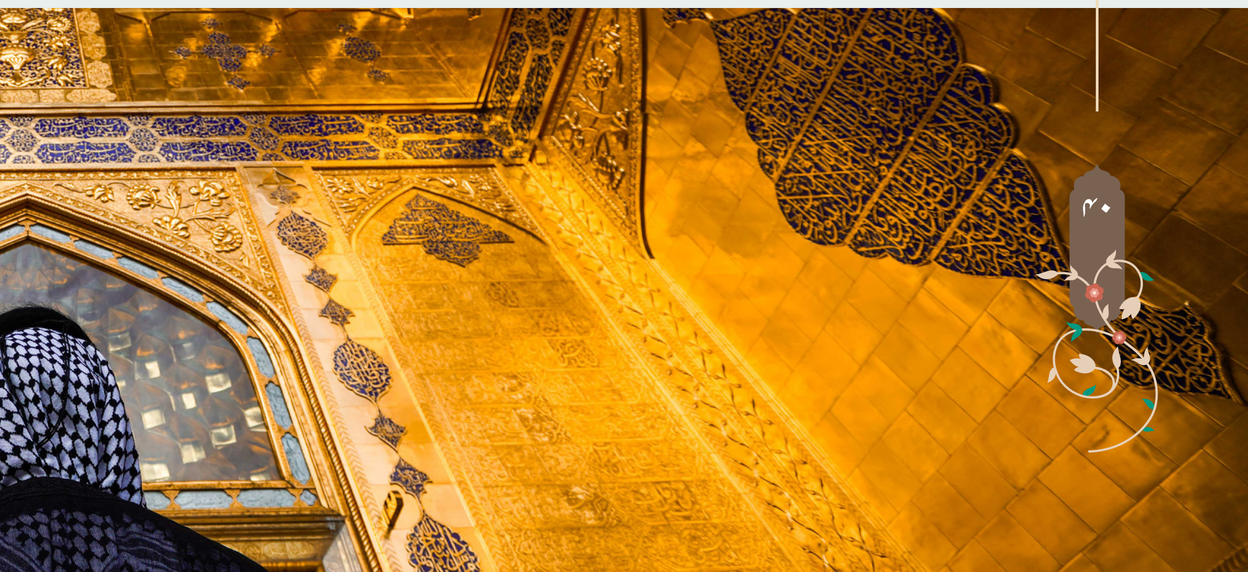

پیشکش" کا دن قرار دیا اور ایک بڑے راز سے پردہ اٹھایا: "اللہ نے اس دن ولایت کو آسمانوں اور زمینوں پر پیش کیا"۔[1] لیکن ہر موجود کی بقا اور اس کا کمال اس پکار پر لبیک کہنے سے مشروط ہو گئی۔ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: "غدیر کے دن، وہ پہاڑ جنھوں نے ولایتِ امیر المؤمنین کو قبول کرنے سے انکار کیا، وہ تکوینی سزا کا شکار ہوئے اور اس کے بعد ان کے پتھریلے سینوں پر کوئی سبزہ نہ اگا اور وہ بے ثمر ہو گئے۔"[2] یا اسی دن، متعدد پانی پر بھی ولایت پیش کی گئی۔ جس پانی نے امیر المؤمنین علیہ السلام کی ولایت کو قبول کیا، وہ حکمِ خدا سے میٹھا اور خوش ذائقہ ہو گیا تا کہ مخلوق کی پیاس بجھائے؛ لیکن وہ پانی جس نے اس عہد سے منہ موڑا، وہ ابدی کڑواہٹ اور نمکینی کا شکار ہو گئے۔[3]

یہ حقائق ظاہر کرتے ہیں کہ اشیا پر "نامِ ولی کی کتابت" (جس کا ذکر ہم نے بحث کے آغاز میں کیا تھا) صرف اسی وقت اپنا حیات بخش ثمرہ ظاہر کرتی ہے جب وہ "اقرار اور قبولیت" کے ساتھ ہو۔ غدیر، ولایتِ امیر المؤمنین کے محور پر نافع اور بے ثمر موجودات کے درمیان تفریق کا دن ہے۔ غدیر میں اکمالِ دین کا اعلان، در حقیقت انہی تحریروں نوشتوں کا ظہور ہے جو ساقِ عرش پر چمک رہے تھے اور آج صحرائے خم میں پیغمبر کے بلند ہاتھوں پر تجلی فرما ہوئے ہیں۔ جو شخص اپنے دل پر یہ نام لکھا ہوا پاتا ہے، وہ جان لے کہ وہ بھی اس نوری سلسلے کا حصہ ہے جس نے زمان و مکان سے پہلے اپنے پروردگار کو "بلیٰ" کہا تھا۔

۱۔ مجلسی، بحار الأنوار، ج۲۷، ص۲۶۲: (قَالَ مَوْلَانَا ٱلرِّضَا عَلَيْهِ ٱلسَّلَامُ: وَفِي يَوْمِ ٱلْغَدِيرِ عَرَضَ ٱللَّهُ ٱلْوِلَايَةَ عَلَى أَهْلِ ٱلسَّمَاوَاتِ ٱلسَّبْعِ... ثُمَّ عَرَضَهَا عَلَى ٱلْأَرَضِينَ۔)

۲۔ ایضاً، (...وَمَا لَمْ يُقِرَّ بِذَلِكَ وَلَمْ يَقْبَلْ صَارَتْ لَا تُنْبِتُ شَيْئاً۔)

۳۔ ایضاً، (...عُرِضَتْ فِي ذَلِكَ ٱلْيَوْمِ عَلَى ٱلْمِيَاهِ فَمَا قَبِلَ مِنْهَا صَارَ عَذْباً وَمَا أَنْكَرَ صَارَ مِلْحاً أُجَاجاً۔)

تمام شریعتوں کی بنیادی روح

پروردگارِ عالم نے خلقت کے ابتدائی لمحات سے ہی تاریخ کی رگوں میں ایک واحد روح رواں جاری کیا ہے؛ ایک ایسا سلجھا ہوا تسلسل، جس میں ہر پیغمبر اپنے بعد آنے والے نبی کا نقیب اور بشارت دینے والا رہا ہے، اور سب کے سب ایک ہی یگانہ حقیقت کی تبلیغ پر مامور رہے ہیں۔ پروردگار کی جانب سے کوئی بھی سفیرِ حق اس وقت تک زمین پر نہیں اترا جب تک اس نے ولایت کی عظیم امانت کا بوجھ اپنے کاندھوں پر نہ اٹھالیا ہو اور اس کی تبلیغ پر مامور نہ ہوا ہو۔

۱۔ایک ہی دین؛ ہر زمانے کے آئینے میں

اس مقام پر الٰہی تدبیر میں جو پہلا نکتہ جلوہ گر ہے، وہ "وحدتِ ادیان" (دینوں کی یکتائی) ہے۔ یہ گمانِ باطل ہے کہ اگر کوئی یہ تصور کرے کہ ہر نبی نے اپنے پیشرو انبیا سے الگ اور کوئی نیا دین متعارف کرایا ہے۔

خاندانِ وحی کے تربیت یافتہ شاگرد، مفضل بنِ عمر نے صادقِ آلِ محمد امام جعفر صادق علیہم السلام سے پوچھا: "کیا وہ دین جس پر ابراہیم، نوح، موسیٰ، عیسیٰ علی نبینا وآلہ و علیہم السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ قائم تھے، وہی اسلام ہے؟"۔ امامِ معصوم کا جواب کثرت پسندی کے ہر وہم پر خطِ بطلان کھینچتا ہے: "ہاں اے مفضل! وہ دین اسلام ہی تھا اور اس کے سوا کچھ نہ تھا"۔[1] امام صلوات اللہ علیہ نے کلامِ الٰہی سے استناد کرتے ہوئے فرمایا: "إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ"[2] (بے شک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے)۔ یہ دینِ واحد در حقیقت بارگاہِ حق میں "تسلیمِ مطلق" کا نام ہے اور یاد رہے کہ اس تسلیم و رضا کی شاہراہ "ولایتِ امیر المومنین علیہ السلام" ہی کے سنگِ میل سے گزر کر منزل تک پہنچتی ہے۔

۲۔ بعثت کا اصلی محور تبلیغِ ولایت

ہم نے اکثر سنا ہے کہ انبیا نے توحید اور معاد کی طرف بلایا ہے لیکن ان کی ماموریت کی عمیق تہوں میں ایک ایسا نکتہ پوشیدہ ہے جو اصلِ اساس ہے۔ بندوں پر الٰہی الطاف و عنایات کا ایک درخشاں نمونہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ کے سفرِ معراج کے مشاہدات ہیں۔ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اپنے اس آسمانی سفر کی ایک حیرت انگیز حکایت میں فرماتے ہیں کہ ایک فرشتہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے محمد! اپنے سے پہلے گزرے ہوئے رسولوں سے دریافت کیجیے کہ وہ کس بنیاد پر مبعوث ہوئے تھے۔ پیغمبر اکرم نے انبیا سے پوچھا تو سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا: "اے محمد! ہم آپ کی ولایت اور علی بن ابی طالب علیہما السلام کی ولایت پر مبعوث ہوئے ہیں"۔[3] یہ روایت بعثت کے حقیقی جوہر کو آشکار کرتی ہے؛ رسالت وہ

---

[1] مجلسی، بحار الأنوار، جلد ۵۳، صفحہ ۱: (قَالَ ٱلْمُفَضَّلُ: ...وَ ٱلدِّينُ ٱلَّذِي فِي آبَائِهِ... هُوَ ٱلْإِسْلَامُ؟ قَالَ: نَعَمْ يَا مُفَضَّلُ! هُوَ ٱلْإِسْلَامُ لَا غَيْرُ...)

[2] سورہ آل عمران، آیت ۱۹۔

[3] ابن سلیمان حلی، المحتضر، جلد ۱، صفحہ ۲۲۲: (فَقُلْتُ: مَعَاشِرَ ٱلرُّسُلِ وَ ٱلنَّبِيِّينَ! عَلَى مَا بُعِثْتُمْ، فَقَالُوا: عَلَى وَلَايَتِكَ يَا مُحَمَّدُ وَ وَلَايَةِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ.)

شاہراہ ہے جس کی منزل فقط ولایت ہے اور تاریخِ خلقت کا کوئی بھی نبی اس شاہراہ پر اس وقت تک گامزن نہیں ہوا جب تک اس کے ہاتھ میں "ولایتِ امیر المؤمنین" کا پرچم نہ تھا۔ اور تمام سفیرانِ الٰہی اس ازلی وابدی سچائی کی تبلیغ کی پہلی صف میں رہے ہیں۔

۳۔ تبرّا؛ ہدایت کا دوسرا شہ پر

انبیا کی دعوت کبھی بھی غیر جانبدار نہیں تھی؛ بلکہ وہ ہمیشہ ایک "سرحد بندی" کے ساتھ تھی؛ یعنی اس کے ہمیشہ دو پہلو رہے ہیں: "تولّیٰ" اور "تبرا"۔ امام محمدِ باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "اللہ نے کبھی کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر ہماری ولایت اور ہمارے دشمنوں سے بیزاری کے ساتھ"۔[1] آپ اس حقیقت کو اس آیت کی تفسیر قرار دیتے ہیں: **"وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ"**۔[2] (اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو)۔ یعنی ہدایت یافتہ وہ ہیں جنھوں نے اس ولایت کو قبول کیا اور گمراہ وہ ہیں جنھوں نے آلِ محمد صلی اللہ علیہم کی تکذیب کر کے جھٹلانے والوں کا انجام اپنے مقدر میں لکھ لیا۔[3] درحقیقت تمام انبیا کی "طاغوت دشمنی" امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت کے دشمنوں سے برائت میں خلاصہ ہوتی ہے۔

آسمانی کتابوں میں علی علیہ السلام کا نام

پروردگارِ حکیم کی تدبیر یہ تھی کہ زمین کبھی بھی الٰہی ہادیوں کی یاد سے خالی نہ رہے۔ انبیائے الٰہی، خورشیدِ خاتم اور ماہِ ولایت کے آئینہ دار تھے۔ وہ نہ صرف "احمد صلی اللہ علیہ وآلہ" کے آنے کی بشارت دیتے تھے، بلکہ ان کے وصی کے نام ونشان کو بھی اپنے صحیفوں میں محفوظ رکھتے تھے۔ حضرتِ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام، جیسا کہ قرآن فرماتا ہے، اس رسول کے مبشر تھے جس کا نام احمد ہے۔[4]
لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ خداوندِ متعال اپنے رسول کا ذکر کرے اور اس رسول کا "نفس" (جان)

۱۔ عیاشی، التفسیر، جلد ۲، صفحہ ۲۵۸: (قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلاَمُ: مَا بَعَثَ اللَّهُ نَبِيّاً قَطُّ إِلاَّ بِوَلاَيَتِنَا وَ الْبَرَاءَةِ مِنْ عَدُوِّنَا۔)

۲۔ سورہ نحل، آیت ۳۶۔

۳۔ ایضاً، (عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلاَمُ: وَذَلِكَ قَوْلُ اللَّهِ فِي كِتَابِهِ: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً ...بِتَكْذِيبِهِمْ آلَ مُحَمَّدٍ

۴۔ سورہ صف، آیت ۶؛ سورہ اعراف، آیت ۱۵۷۔ الکافی، جلد ۸، صفحہ ۱۱۶۔

موجود نہ ہو! یہ بشارت امیر المومنین علیہ السلام کے بلند نام کو بھی شامل تھی۔ روایت میں ہے کہ علی امیر المومنین علیہ السلام کے لیے ہر سر زمین اور ہر قوم کے پاس ایک نام ہے جو قدرت اور ہدایت کی نشانی ہے۔ آپ تورات میں "ایلیا"، انجیل میں "بریا" اور زبور میں "قویا" کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ رومیوں، پارسیوں، عجمیوں، دیلمیوں اور حبشیوں کے ہاں بھی آپ کو منفرد ناموں سے پکارا گیا ہے۔ مختلف زبانوں، قوموں اور سابقہ کتب میں ناموں کا یہ تنوع اس بات کی دلیل ہے کہ ہر امت اپنی زبان میں اس نوری شخصیت کے اعلیٰ مقام کی شناخت پر مامور تھی۔ وہ شخصیت جو خود "اصلِ دین" اور "ایمان کا مینارہ" ہے۔

۴۔ ہدایت؛ صرف ولایتِ امیر المؤمنین علیہ السلام میں

اسلام کے معرفتی نظام میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ "منذر" (ڈرانے والے) کے مقام پر ہیں، لیکن "ہادی" اور راہِ ہدایت دکھانے کا مقام وجودِ مبارک امیر المومنین علیہ السلام میں جلوہ گر ہوا ہے اور ولایتِ امیر المؤمنین علیہ السلام کے مدار میں اس کی تعریف کی گئی ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: "اے علی! مخلوق کو میرے ذریعے ڈرایا گیا اور تمہارے ذریعے انہوں نے ہدایت پائی"۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "**إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ**"[2] (بے شک آپ ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہے)۔[3]

امام محمدِ باقر علیہ السلام ایک دلنشین منظر کی روایت کرتے ہیں جس میں پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے امیر المومنین علیہ السلام کا ہاتھ تھامنے کے لیے پہلے وضو کیا، پھر اپنا ہاتھ علی علیہ السلام کے سینہ مبارک پر رکھا اور اس فقرے کی تلاوت کی: "**وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ**"۔[4] پھر فرمایا: "تم اصلِ دین، ایمان کا مینار، ہدایت کی غایت اور بہشت کے سفید چہرے والوں کے

۱۔ ابن شاذان، الفضائل، صفحہ ۵۱۶: (عَنِ اَلنَّبِيِّ صَلَّى اَللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ: لِعَلِيٍّ سَبْعَةَ عَشَرَ اِسْماً... فِي اَلتَّوْرَاةِ: إِلِيَّا، وَفِي اَلْإِنْجِيلِ: بَرِيَّا...)

۲۔ سورہ رعد، آیت ۷۔

۳۔ ابن شاذان، مائة منقبة، جلد ۱، صفحہ ۲۲: (رَسُولُ اَللَّهِ صلی اللہ علیہ وآلہ: بِي أُنْذِرْتُمْ وَبِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ اَلسَّلاَمُ اِهْتَدَيْتُمْ.)

۴۔ سورہ رعد، آیت ۷۔

قائد ہو"۔۱اس "اصل" کے بغیر دین ایک بے روح قالب ہے؛اس "اصلِ دین" سے تمسک کے بغیر کوئی بھی عبادت اپنی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔

۵۔ رسالت کا انجام ولایت کے مرہونِ منت

اس نورانی راستے کے مطالعے سے ہم ایک لطیف نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ غدیر تمام آسمانی کتابوں کے مندرجات کی "حتمی نقاب کشائی" تھی۔ آدم سے عیسیٰ علیہم السلام تک تمام انبیا ایک ہی محاذ پر اور ایک ہی مشترکہ ہدف کے ساتھ قدم بڑھا رہے تھے۔ الٰہی تدبیر کا فیصلہ یہ رہا ہے کہ ولایتِ امیر المؤمنین علیہ السلام کو تمام آسمانی کتابوں کے بنیادی متن کے طور پر فروغ دیا جائے۔ اگر ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے، اگر موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ تھے اور عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ؛ تو سب کے سب توحید کے درس میں اپنے شاگردوں کو "وجہ اللہ" یعنی علی امیر المومنین علیہ السلام کی معرفت کی طرف بلا رہے تھے۔

غدیر در حقیقت سابقہ انبیا کی تمام بشارتوں کی میعاد گاہ ہے؛ جو شخص علی علیہ السلام کو نہیں پہچانتا، اس نے در حقیقت تمام انبیا کا پیغام نہیں سنا اور اس "اصلِ دین" سے بے خبر رہا ہے جس پر تمام رسول مبعوث کیے گئے تھے۔ جنھوں نے ولایت کو قبول کیا وہ "اهتدیتم" (تم نے ہدایت پائی) کے راستے پر چلے اور جنھوں نے انکار کیا وہ حقیقتِ اسلام کے ادراک سے محروم رہے۔ جی ہاں، غدیر وہی دن ہے جب امیر المومنین علیہ السلام کے "اصلِ دین" ہونے کا پیغام رسمی طور پر ابلاغ ہوا۔ اب یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ کیوں دین کی تکمیل روزِ غدیر سے وابستہ ہے! کیوں کہ کیا واقعی اس کی حقیقی معرفت کے بغیر دینداری کو "دینداری" کا نام دیا جا سکتا ہے؟!۔

۱۔ عاملی، الصراط المستقیم، جلد۱، صفحہ ۲۷۲: (عَنِ اَلْبَاقِرِ عَلَیْهِ اَلسَّلاَمُ... ثُمَّ قَالَ یَا عَلِیُّ أَنْتَ أَصْلُ الدِّینِ وَ مَنَارُ الْإِیمَانِ وَ غَایَةُ الْهُدَی وَ قَائِدُ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِینَ أَشْهَدُ بِذَلِكَ)

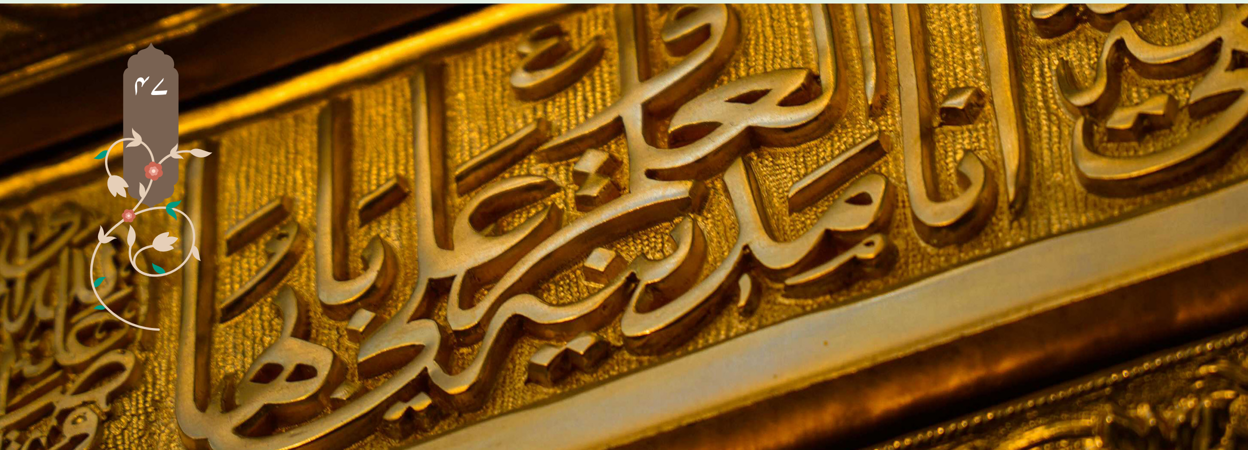

نبوت کی شرط

جب پروردگارِ متعال نے یہ ارادہ فرمایا کہ انسانوں کے درمیان ہدایت کے چراغ روشن کرے، تو برگزیدہ ہستیوں کے کاندھوں پر نبوت کی رداڈالنے سے پہلے، انھیں ایک عظیم امتحان اور میثاقِ ازلی کے سامنے پیش کیا۔ خداوندِ عالم نے "ولایتِ امیر المومنین" کو معیار قرار دیا؛ تاکہ نبوت کی کرسی پر صرف وہی فائز ہوں جنھوں نے پہلے ولایتِ امیر المومنین علیہ السلام کی چوکھٹ پر سرِ تسلیم خم کیا ہو؛ یہاں تک کہ کوئی بھی نبی اس بلند مقام تک نہیں پہنچا، مگر یہ کہ وہ ولایت کے امتحان میں کامیاب ہوا۔

۱۔ خلوت گاہِ نبوت؛ انسانی سوچ سے بالاتر

نبوت اور ولایت کے درمیان تعلق کو سمجھنے کے لیے، پہلے انبیائے الٰہی کی عظمت کے بارے میں جاننا ہوگا اور انھیں امام جعفر صادق علیہ السلام کے کلام کے آئینے میں دیکھنا ہوگا۔ آپؑ فرماتے ہیں: "خداوندِ عزوجل نے اپنے پیغمبروں کو اپنے لطف وکرم کے خزانوں سے نوازا اور انھیں اپنے مخفی علم سے آراستہ کیا۔ اللہ نے ان کے اخلاق اور احوال کو ایسا بنایا کہ کائنات کی کوئی بھی مخلوق ان سے مشابہت نہیں رکھتی"۔[۱]

امام علیہ السلام نے ایک لرزہ خیز کلام میں فرمایا: "خدا نے ان بزرگ ہستیوں کو اپنے اور مخلوق کے درمیان "وسیلہ" بنایا اور ان کی اطاعت کو اپنی رضا کے برابر قرار دیا"۔ امامؑ خبردار کرتے ہیں کہ کوئی اپنی عقل کے ترازو سے ان کے مقام کو دوسروں کے ساتھ نہ تولے؛ کیوں کہ ان کے اقوال وافعال کا عام لوگوں سے موازنہ کرنا، ان کے اس خاص مقام سے جہالت کی علامت ہے جو انھیں بارگاہِ الٰہی میں حاصل ہے۔ انبیا کی عظمت یہ ہے کہ خدا کسی بندے کی عبادت قبول نہیں کرتا، جب تک کہ اس کے دل میں ان کی حرمت، وقار اور جاہ ومنزلت کی معرفت نہ ہو۔[۲] لیکن انبیائے کرام کا یہ بلند مرتبہ، بذاتِ خود اس علتِ کبریٰ کا معلول ہے جو پردۂ غیب میں مستور ہے؛ اور کائناتِ ہست وبود کی یہ برگزیدہ ہستیاں، ایک برتر حقیقت کے آستانِ عالی پر سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔

۱۔ مصباح الشريعة، ج۱، ص۶۱: (عَنِ اَلصَّادِقِ عليه السلام: إِنَّ اَللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ مَكَّنَ أَنْبِيَاءَهُ مِنْ خَزَائِنِ لُطْفِهِ وَكَرَمِهِ وَرَحْمَتِهِ وَعَلَّمَهُمْ مِنْ مَخْزُونِ عِلْمِهِ وَأَفْرَدَهُمْ مِنْ جَمِيعِ اَلْخَلاَئِقِ لِنَفْسِهِ فَلاَ يُشْبِهُ أَحْوَالَهُمْ وَأَخْلاَقَهُمْ أَحَدٌ مِنَ اَلْخَلاَئِقِ أَجْمَعِينَ...)

۲۔ مصباح الشريعة، ج۱، ص۶۱: (عَنِ اَلصَّادِقِ عليه السلام: إِذْ جَعَلَهُمْ وَسَائِلَ سَائِرِ اَلْخَلْقِ إِلَيْهِ وَجَعَلَ حُبَّهُمْ وَإِطَاعَتَهُمْ سَبَبَ رِضَائِهِ وَخِلاَفَهُمْ وَإِنْكَارَهُمْ سَبَبَ سَخَطِهِ وَأَمَرَ كُلَّ قَوْمٍ وَفِئَةٍ بِاتِّبَاعِ مِلَّةِ رَسُولِهِمْ ثُمَّ أَبَى أَنْ يَقْبَلَ طَاعَةً إِلاَّ بِطَاعَتِهِمْ وَتَمْجِيدِهِمْ وَمَعْرِفَةِ حُرْمَتِهِمْ وَحُبِّهِمْ وَوَقَارِهِمْ وَتَعْظِيمِهِمْ وَجَاهِهِمْ عِنْدَ اَللَّهِ تَعَالَى فَعَظِّمْ جَمِيعَ أَنْبِيَاءِ اَللَّهِ وَلاَ تُنْزِلْهُمْ مَنْزِلَةَ أَحَدٍ مِنْ دُونِهِمْ وَلاَ تَتَصَرَّفْ بِعَقْلِكَ فِي مَقَامَاتِهِمْ وَأَحْوَالِهِمْ وَأَخْلاَقِهِمْ إِلاَّ بِبَيَانٍ مُحْكَمٍ مِنْ عِنْدِ اَللَّهِ تَعَالَى وَإِجْمَاعِ أَهْلِ اَلْبَصَائِرِ بِدَلاَئِلَ يَتَحَقَّقُ بِهَا فَضَائِلُهُمْ وَمَرَاتِبُهُمْ وَأَنَّى بِالْوُصُولِ إِلَى حَقِيقَةِ مَا لَهُمْ عِنْدَ اَللَّهِ تَعَالَى فَإِنْ قَابَلْتَ أَفْعَالَهُمْ وَأَقْوَالَهُمْ بِمَنْ دُونَهُمْ مِنَ اَلنَّاسِ فَقَدْ أَسَأْتَ صُحْبَتَهُمْ وَأَنْكَرْتَ مَعْرِفَتَهُمْ وَجَهِلْتَ خُصُوصِيَّتَهُمْ بِاللَّهِ وَسَقَطْتَ عَنْ دَرَجَةِ حَقَائِقِ اَلْإِيمَانِ وَاَلْمَعْرِفَةِ فَإِيَّاكَ ثُمَّ إِيَّاكَ)

۲۔ ولایت؛ساحتِ نبوت میں داخلے کا اجازت نامہ

"تدبیرِ الٰہی کا ایک شگفتہ ترین پہلو یہ ہے کہ خود تخلیقِ عالم کی برگزیدہ ہستیاں (یعنی انبیا) کو بھی مقامِ نبوت تک رسائی حاصل کرنے کے لیے، ایک حقیقتِ برتر کی معرفت و شناخت کا پابند کیا گیا ہے۔ اہل بیت علیہم السلام کے ارشادات کے مطابق، "معرفتِ ولایت" ہی نبوت کے آستانے میں داخل ہونے کی چابی ہے۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "کوئی بھی نبی کبھی مبعوث نہیں ہوا، مگر ہماری معرفت اور دوسروں پر ہماری برتری کے اقرار کے ساتھ "۔[1]

اس بات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ہاں جب نبیوں کا انتخاب ہو رہا تھا، تو ہر نبی کے لیے پہلا امتحان یہ تھا کہ وہ اہلِ بیت علیہم السلام کے نورانی مقام کو کتنا پہچانتا ہے۔ اگر کوئی امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے حق کو نہ پہچانتا، تو اسے کبھی بھی نبوت کا منصب نہ دیا جاتا۔ انبیا کے لیے یہ جاننا ضروری تھا کہ کائنات کے اس پورے نظام میں کچھ ایسے چمکتے ہوئے نور موجود ہیں، جن کے گرد انھیں (ستاروں کی طرح) گھومنا ہے۔ یہاں ہمیں اس باریک بات کو سمجھنا چاہیے کہ حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کی تشہیر اور اس کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہوا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنے برحق جانشین سے مخاطب ہو کر فرمایا: "یا علی! اللہ نے جس نبی کو بھی مبعوث کیا، اسے تمہاری ولایت کی دعوت دی؛ خواہ اس نے خوشی سے قبول کیا ہو یا کراہت سے "۔[2] یہ دعوت وہی "امانت " ہے جو کائنات پر پیش کی گئی اور انبیا وہ پہلے افراد تھے جنھوں نے اسے پورے وجود کے ساتھ قبول کیا۔ ہر وہ نبی جو مبعوث ہوا، اس نے غیب کے مدرسے میں پہلا سبق یہی سیکھا کہ ولایتِ امیر المومنین علیہ السلام سے دل لگی ناگزیر ہے۔

۱۔ صفار، بصائر الدرجات، ج۱، ص۷۴: (عَنْ أَبِي عَبْدِ اَللَّهِ علیه السلام: مَا نُبِّئَ نَبِيٌّ قَطُّ إِلاَّ بِمَعْرِفَةِ حَقِّنَا وَ بِفَضْلِنَا عَمَّنْ سِوَانَا۔)

۲۔ ایضا، ص۷۲: (رَسُولُ اَللَّهِ صلی الله علیه وآله: يَا عَلِيُّ مَا بَعَثَ اَللَّهُ نَبِيّاً إِلَّا وَ قَدْ دَعَاهُ إِلَى وَلاَيَتِكَ طَائِعاً أَوْ كَارِهاً۔)

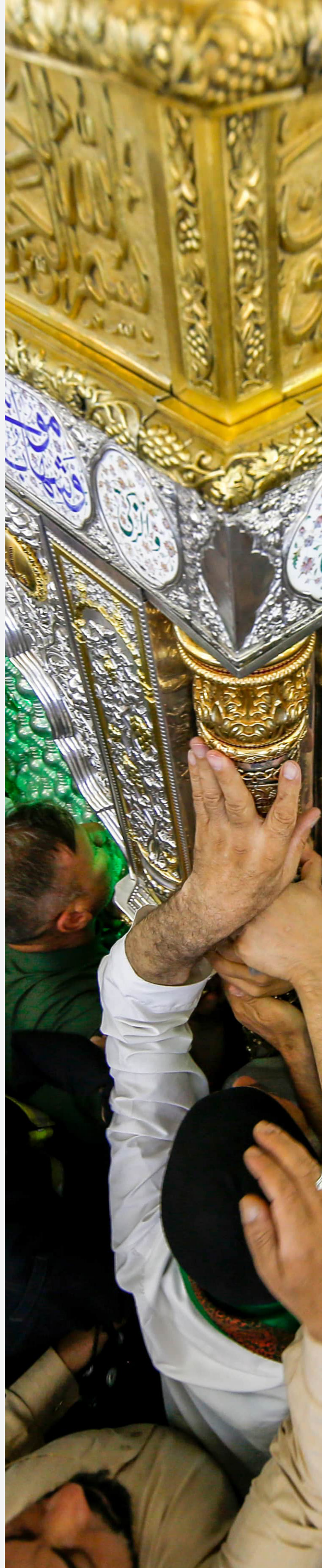

۳۔ اطاعت کا اقرار؛ کمالِ نبوت کا زینہ

نبوت کے مختلف درجے ہیں؛ اور اس کمال کی چوٹی اور آخری حد تک پہنچنے کے لیے، خاندانِ وحی (اہلِ بیت علیہم السلام) کی فرمانبرداری کا سچے دل سے اقرار کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے عالمِ اظلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "کسی بھی نبی کی نبوت مکمل نہیں ہوئی، جب تک کہ اس پر میری اور میرے خاندان کی ولایت پیش نہیں کی گئی؛ تب اس نے ان کی ولایت اور اطاعت کا اعتراف کیا"۔[۱] پس نبوت وہ پھل ہے جو صرف ولایت کی شاخ پر ہی اگتا ہے؛ اور ہر وہ پیغمبر جو رسالت کی چوٹی تک پہنچا ہے، اس نے پہلے ولایت کی عظمت کے سامنے اپنا سر جھکایا ہے۔ یہ اعتراف کائنات پر آلِ محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین کی اور سرداری کی قبولیت تھی۔ امام صادق علیہ السلام تاکید فرماتے ہیں کہ کوئی نبی یا رسول نہیں بھیجا گیا، مگر یہ کہ اس نے اقرار کیا کہ ہم تمام جہانوں پر برتری رکھتے ہیں۔[۲]

۴۔ صعوبتِ امرِ ولایت اور انتخابِ مُرسلین

نبی اور رسول کے درمیان فرق دراصل ذمہ داری کے بوجھ کا ہے۔ اگر کوئی نبی "رسالت" کے اونچے مقام پر پہنچنا چاہتا ہے، تو اسے پہلے سے بھی زیادہ تسلیم ہونا پڑے گا۔ ولایت کو ماننے کا یہ عہد تمام انبیا سے لیا گیا ہے۔ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: "خداوند نے انبیا سے یہ عہد لیا کہ وہ علی علیہ السلام کی ولایت کو تسلیم کریں"۔[۳] لیکن حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کی حقیقت اتنی گہری اور کٹھن ہے کہ اسے سمجھنا اور اس کا بوجھ اٹھانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ خود امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: "ہمارا امر (ولایت) دشوار اور کٹھن ہے؛ اسے صرف مقرب فرشتہ، یا نبیِ مرسل، یا وہ بندہ ہی پہچان سکتا ہے جس کے دل کو خدا نے ایمان کے لیے آزمالیا ہو"۔[۴] امام صادق علیہ السلام اس کلام کی وضاحت میں فرماتے ہیں: 'اس پیچیدہ اور گراں (بھاری) حقیقت کو برداشت کرنے کی تاب ہر ایک میں نہیں؛ جس طرح تمام

۱۔ ایضا، ص ۴۳: (رَسُولُ اَللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ: مَا تَكَامَلَتِ اَلنُّبُوَّةُ لِنَبِيٍّ فِي اَلْأَظِلَّةِ حَتَّى عُرِضَتْ عَلَيْهِ وَلاَيَتِي وَ وَلاَيَةُ أَهْلِ بَيْتِي... فَأَقَرُّوا بِطَاعَتِهِمْ۔)

۲۔ ایضا، ص ۴۴: (عَنِ اَلصَّادِقِ علیہ السلام: مَا مِنْ نَبِيٍّ نُبِّئَ وَ لاَ مِنْ رَسُولٍ أُرْسِلَ إِلاَّ بِوَلاَيَتِنَا وَ بِفَضْلِنَا عَمَّنْ سِوَانَا۔)

۳۔ ایضا، ص ۴۳: (عَنِ اَلْبَاقِرِ علیہ السلام: إِنَّ اَللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى أَخَذَ مِيثَاقَ اَلنَّبِيِّينَ عَلَى وَلاَيَةِ عَلِيٍّ۔)

۴۔ ایضا، ص ۲۶: (عَنِ اَلصَّادِقِ علیہ السلام: إِنَّ أَمْرَنَا صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ لاَ يَعْرِفُهُ إِلاَّ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ أَوْ نَبِيٌّ مُرْسَلٌ أَوْ عَبْدٌ اِمْتَحَنَ اَللّٰهُ قَلْبَهُ لِلْإِيمَانِ)

فرشتے 'مقرب' نہیں ہوتے اور تمام مومنین (آزمودہ) نہیں ہوتے، اسی طرح تمام انبیا بھی مقامِ (رسالت) پر فائز نہیں ہوتے۔ ولایت کا یہ معاملہ تمام انبیا کے سامنے پیش کیا گیا، مگر جو انبیا اس کا حق ادا کرنے اور اس کا مکمل اقرار کرنے میں کامیاب ہوئے وہ ہی (رسالت) کے بلند مرتبے پر فائز ہوئے۔[1]

۵۔ غدیر؛ انبیا کے عہد و پیمان کی جلوہ گاہ

ولایت کا یہ سلسلہ جو ہمیشہ سے تمام انبیا کے دلوں میں بسا ہوا تھا، غدیر کے دن اپنی مکمل کامیابی اور بلندی تک پہنچ گیا۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "خدا نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا مگر یہ کہ اس نے اس دن (غدیر) عید منائی۔ آسمانوں میں اس دن کو "عیدِ معہود" کہا جاتا ہے؛ غدیر ہی "میثاقِ ماخوذ" ہے"۔[2] یہ وہ عید ہے جس کا انتظار آسمان کے فرشتے کائنات کی شروعات سے کر رہے تھے کہ کب یہ دنیا میں سب کے سامنے ظاہر ہو۔ یہ وہ دن ہے جب اللہ نے پردہِ غیب میں انبیا سے جو جو وعدے لیے تھے، وہ زمین پر سب کے سامنے پورے ہو گئے۔ روز غدیر کی شان اتنی بڑی ہے کہ تمام انبیا کی تاریخ کے عظیم ترین واقعات اسی ایک دن کی روحانیت میں سمائے ہوئے ہیں۔ اسی دن اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو سامری کے لشکر پر فتح دی اور اسی دن آتش نمرود حضرت ابراہیمؑ کے لیے گلزار ہوئی۔[3] اسی دن حضرت موسیٰؑ نے یوشع بن نونؑ کو، حضرت عیسیٰؑ نے شمعون الصفا کو اور حضرت سلیمانؑ نے آصف بن برخیاؒ کو اپنا وصی مقرر کیا۔[4] غدیر ان تمام رسالتوں کو کمال بخشنے والا دن ہے جن کا آغاز ہی قبولیتِ ولایت کی شرط پر مبنی تھا۔

۱۔ وھی منبع، ص۲۶: (عَنِ ٱلصَّادِقِ علیہ السلام: ...وَعُرِضَ عَلَى ٱلْأَنْبِيَاءِ فَلَمْ يُقِرَّ بِهِ إِلاَّ ٱلْمُرْسَلُونَ...)

۲۔ رضیّ الدین ابن طاووس، العدد القویۃ، ج۱، ص۱۶۶: (قَالَ مَوْلاَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ ٱلصَّادِقُ عَلَيْهِ ٱلسَّلاَمُ: مَا بَعَثَ ٱللّٰهُ نَبِيّاً إِلاَّ وَتَعَيَّدَ فِي هَذَا ٱلْيَوْمِ وَعَرَّفَ حُرْمَتَهُ وَإِسْمُهُ فِي ٱلسَّمَاءِ يَوْمُ ٱلْعِيدِ ٱلْمَعْهُودِ وَفِي ٱلْأَرْضِ يَوْمُ ٱلْمِيثَاقِ ٱلْمَأْخُوذِ وَٱلْجَمْعِ ٱلْمَشْهُودِ)

۳۔ علوی ورامینی رازی، احسن الکبار، باب۸، ص۱۹۴-۱۹۵: (...فیہ ظفر اللہ موسی علی شجرۃ سامری... و برد النار علی ابراھیم)

۴۔ ایضاً، (... وصی موسی یوشع ابن النون و وصی عیسی شمعون و وصی سلیمان آصف و یقولون فی السماء لھذا الیوم العید المعھود و فی الارض المیثاق الماخوذ)

لازوال سورج کی ایک کرن

ان روایات میں غور و فکر کرنا، سطحی خیالات کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ جب جلیل القدر پیغمبروں کی نبوت، اپنی تمام تر عظمت و شکوہ کے ساتھ، امیر المؤمنین علیہ السلام کی ولایت کے اقرار سے مشروط ہے، تو پھر اس منظومۂ نور (نورانی کائنات) میں ہمارا مقام کہاں ہے؟ انبیائے الٰہی کو شفاعت، علم اور عصمت کے جو بھی درجات ملے، وہ سب ولایتِ امیر المؤمنین علیہ السلام کی عظیم شعاعوں کی ایک کرن ہیں۔ کائنات کی ہر شے، اپنے وجود کی اچھائی اور اس کی بلندی کے لیے ولایتِ امیر المؤمنین علیہ السلام کے اقرار کی محتاج ہے۔

جو معمولی بشر کو چھو کر نبوت کے عظیم مرتبے پر فائز کرے اسے ولایت کہتے ہیں۔

انبیا کے مشکل کشا

عقلِ انسانی جب بھی انبیائے کرام کی حیاتِ مبارکہ میں پیش آنے والے ہولناک اور سنگین واقعات کا مطالعہ کرتی ہے، تو ہمیشہ ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتی ہے؛ لیکن جب وہی عقل ذرا گہرائی میں اتر کر دیکھتی ہے، تو اسے ادراک ہوتا ہے کہ ایک دستِ قدسی اور قدرتِ الہیٰ ہمیشہ وحی کے ان سفیروں کی پشت پناہی کرتی رہی ہے۔ اگر نوح اس خوفناک طوفان کے تھپیڑوں سے محفوظ رہے، اگر ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے شعلوں کے درمیان گلستاں پایا اور اگر موسیٰ علیہ السلام بپھرے ہوئے نیل سے سلامتی کے ساتھ گزر گئے، تو یہ سب ایک ہی چشمے سے سیراب ہوئے ہیں۔ پروردگار نے امیر المومنین صلوات اللہ علیہ کو تمام زمانوں اور امتوں میں اپنے "یداللہ" (اللہ کا ہاتھ) اور "عون" (مددگار) کے طور پر قرار دیا تاکہ بلاؤں کے ہجوم میں کوئی بھی رسول بے یار و مددگار نہ رہے۔

۱۔ تمام امتوں میں مددِ خداوند

حقیقتِ ولایت کسی خاص زمانے کے حصار میں مقید نہیں ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے خود اس رازِ سربستہ سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا: "میں تمام انبیا کے ساتھ مخفی طور پر تھا اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ آشکارا طور ہوں"۔[۱] کوئی معجزہ رونما نہیں ہوا اور سابقہ رسولوں کے کام کی کوئی گرہ نہیں کھلی، مگر اسی ہستی کے واسطے سے جو "قدرۃ اللہ" (اللہ کی قدرت) ہے۔[۲] پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس راز کی وضاحت کرتے ہوئے جنابِ سلمان سے فرمایا: "اے سلمان! آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اب تک، اللہ کا کوئی بھی نبی یا ولی کسی بلا یا مصیبت میں گرفتار نہیں ہوا، مگر یہ کہ علی نے اسے اس بلا سے نجات دی"۔[۳]

۲۔ تجلیاتِ نصرت

تاریخِ انبیا ایسے لمحات سے بھری پڑی ہے جہاں قدرتِ الٰہی کی مداخلت کے بغیر نجات کا کوئی راستہ تصور کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے معرفت سے لبریز خطبات میں ان نصرتوں کے گوشوں کو یوں بیان فرمایا ہے "میں ہی ہوں جس نے عاد و ثمود کو ہلاکت کے گھاٹ اتارا۔۔۔ میں ہی صاحبِ مدین، فرعون کو تباہ کرنے والا اور موسیٰ کو نجات دینے والا ہوں"۔[۴] ایک اور بیان میں جنابِ سلمان اور ابوذر سے مخاطب ہو کر تکوینی اسرار سے یوں پردہ اٹھاتے ہیں:

طوفانِ نوح میں: "میں وہی ہوں جس نے اپنے پروردگار کے حکم سے نوح کو کشتی میں سوار کیا"۔

آزمائشِ یونس میں: میں وہی ہوں جس نے اذنِ پروردگار سے یونس کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دی"۔

موسیٰ کو پار لگانے میں: "میں وہی ہوں جس نے موسیٰ بن عمران کو دریا پار کرایا"۔

گلستانِ ابراہیم میں: "میں وہی ہوں جس نے خدا کے اذن سے ابراہیم کو آگ سے نجات دی۔[۵]

۱۔ رشتی، رسالہ حملیہ (بہ نقل از کلمات مکنونہ): (أَنَا مَعَ ٱلْأَنْبِيَاءِ سِرّاً وَمَعَ رَسُولِ ٱللَّهِ جَهْراً۔)

۲۔ مجلسی، بحار الأنوار، ج۲۶، ص۱: (أَمِيرُ ٱلْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: أَنَا قُدْرَةُ ٱللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ)

۳۔ مستنبط، القطرہ، ج۱، ص۱۹۰: (اعْلَمْ يَا سَلْمَانُ... مَا ابْتُلِيَ أَحَدٌ مِنَ ٱلْأَنْبِيَاءِ... إِلَّا كَانَ عَلِيٌّ هُوَ ٱلَّذِي نَجَّاهُ۔)

۴۔ حلی، مختصر البصائر، ج۱، ص۱۳۰: (أَنَا ٱلَّذِي أَهْلَكْتُ عَاداً وَثَمُودَ... وَمُنْجِي مُوسَى ع۔)

۵۔ مجلسی، بحار الأنوار، ج۲۶، ص۱: (يَا سَلْمَانُ... أَنَا ٱلَّذِي حَمَلْتُ نُوحاً فِي ٱلسَّفِينَةِ... وَأَنَا ٱلَّذِي أَخْرَجْتُ إِبْرَاهِيمَ مِنَ ٱلنَّارِ۔)

۳۔ ولایت؛ انبیا کے درجات کی بلندی کا سبب

نہ صرف یہ کہ حوادث و آفات سے نجات ولایت کے مرہونِ منت تھی، بلکہ انبیائے کرام کو حاصل ہونے والے تمام مخصوص کرامات اور بلند درجات بھی اسی ولایت سے تمسک اور توسل ہی کا ثمرہ ہیں۔ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے قسم کھاتے ہوئے فرمایا: "خالقِ کائنات نے آدم علیہ السلام کو نہ تو خلقت کے لائق سمجھا اور نہ ہی ان کی توبہ قبول فرمائی مگر میری نبوت اور علی کی ولایت کے واسطے سے۔۔۔ ابراہیم علیہ السلام نے آسمانوں کی ملکوت کا مشاہدہ نہیں کیا اور خلیل اللہ نہیں بنے مگر میری نبوت اور علی کی ولایت کے اقرار کی خاطر۔۔۔ اور موسیٰ مقامِ تکلیم تک نہیں پہنچے اور عیسی جہان والوں کے لیے نشانی نہیں بنے مگر میری نبوت اور علی بن ابی طالب کی معرفت کی خاطر؛ کوئی بھی نبی نبوت تک نہیں پہنچا مگر اللہ کی پہچان اور ہماری ولایت کے اقرار کے باعث، اور کوئی بھی مخلوق اللہ کی پہچان کی مستحق نہیں بنی مگر اللہ کی بندگی کے اعتراف اور میرے بعد علی کی ولایت کے اقرار کے ساتھ"۔[۱]

ولایت وہ کیمیا ہے جس نے انبیائے کرام کی بندگی کو اوجِ کمال تک پہنچایا اور انھیں بارگاہِ حق کے مشاہدے کا اہل بنایا۔ ولایت انبیا کی "ترقی کا زینہ" رہی ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام اللہ کے رسولوں کے "روحانی معلم" تھے۔ جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں: "میں ہی وہ خضر ہوں جو موسیٰ کا معلم تھا؛ میں ہی سلیمان بن داؤد کا استاد ہوں؛ میں ہی ذوالقرنین ہوں اور میں ہی خدائے عزوجل کی قدرتِ کاملہ ہوں"۔[۲]

۴۔ غدیر؛ انبیا کی فتح کا دن

انبیا کے بڑے واقعات اور روزِ غدیر کے درمیان ایک گہرا تعلق ہے جسے الٰہی تدبیر نے ایک نقطے پر جوڑ دیا ہے۔ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: "غدیر وہ دن ہے جس میں ابراہیم خلیل آگ سے نجات پائے اور اس کے شکرانے میں انھوں نے روزہ رکھا۔ غدیر وہ دن ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام فرعون کے جادوگروں پر غالب آئے"۔[۳] غدیر ہی وہ دن تھا جس میں تمام انبیا نے اپنے وصی کا انتخاب کیا؛ موسیٰ نے یوشع کو،

۱۔ صفار، بصائر الدرجات: (۔۔۔مَا اِسۡتَوۡجَبَ آدَمُ أَنۡ یَخۡلُقَهُ اللّٰهُ۔۔۔إِلاَّ بِنُبُوَّتِي وَالۡوَلاَیَةِ لِعَلِيٍّ بَعۡدِی۔۔۔)

۲۔ مجلسی، بحار الأنوار، ج۲۶، ص۱: (أَنَا الۡخَضِرُ عَالِمُ مُوسَی وَأَنَا مُعَلِّمُ سُلَیۡمَانَ۔۔۔)

۳۔ ابن طاووس، إقبال الأعمال، ج۱، ص۴۶۴: (هُوَ الۡیَوۡمُ الَّذِی نَجَا فِیهِ إِبۡرَاهِیمُ الۡخَلِیلُ مِنَ النَّارِ فِیهِ ظَفَرَ اللّٰهُ مُوسَی عَلَی شَجَرَةِ سَامِرِی)

عیسیٰ نے شمعون کو اور سلیمان نے آصف بن برخیا کو انتخاب کیا۔[1]

۵۔ ہماری ذمہ داری

امیر المومنین علیہ السلام کے اس بلند مقام کی پہچان "یقین" کے لیے ہے؛ جس ہستی نے آدم سے لے کر خاتم تک سب کی دستگیری کی ہے، وہ بلا شبہ زندگی کی سختیوں میں ہمارے لیے بہترین پناہ گاہ اور مددگار ہے۔ اس معرفت کے مقابلے میں ہماری دو ذمہ داریاں ہیں:

اول: بارگاہِ ولایت میں استغاثہ: اب جب کہ ہمیں معلوم ہو گیا کہ انبیائے عظام اپنی مصیبتوں میں ولایتِ علی علیہ السلام کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں رکھتے تھے، تو آزمائشوں کے دور میں ہماری ذمہ داری واضح ہے؛ اس ہستی سے مدد مانگنا جو ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کی مددگار رہی ہے۔ اس ہستی سے مدد مانگنا جو کائنات کے سردار و آقا صلی اللہ علیہ وآلہ کی معین کردہ ہے۔ احد کے مشکل دن میں، جب حق کے محاذ پر غم و اندوہ کے سائے منڈلانے لگے، تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ پر ایک آسمانی ندا نازل ہوئی: **"نَادِ عَلِيّاً مَظْهَرَ ٱلْعَجَائِبِ، تَجِدْهُ عَوْناً لَكَ فِي ٱلنَّوَائِبِ..."** علی علیہ السلام کو پکارو جو عجائب کو ظاہر کرنے والے ہیں، تم انھیں سختیوں میں اپنا مددگار پاؤ گے۔[2] یہ ندا بارگاہِ ولایت میں استغاثے کا ابدی منشور ہے؛ کیوں کہ ہر غم اور دکھ اسی ولایت کی برکت سے دور ہوتا ہے۔

دوم: نصرت: اس عمیق معرفت کے بدلے ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہمیشہ ولایت کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں، آپ کے امر کی نصرت کے لیے کوشاں رہیں اور آپ کے فضائل کی ترویج کریں؛ تاکہ اس طرح ہم غدیر میں پیغمبر کی اس دعا کے مستحق بن سکیں کہ آپ نے فرمایا: **"اللّٰهُمَّ انصُرْ مَنْ نَصَرَهُ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهُ"** اے اللہ! مدد کر اس کی جو علی کی مدد کرے۔[3]

غدیر "ناصرِ انبیا" کے ساتھ تجدید عہد کا دن ہے؛ ایک ایسا عہد جس کی بنیاد پر ہم اپنے امامِ زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ہدف میں ثابت قدم رہیں۔ اگر ہم امیر المومنین علیہ السلام کی نصرت کی وادی میں قدم رکھتے ہیں، تو یہ خود اس مقام کے مالک کی طرف

۱۔ علوی ورامینی، احسن الکبار، نسخہ خطی، ص ۱۹۴: (وَوَصِيُّ مُوسَى يُوشَعُ...)

۲۔ ایضاً، ج ۲۰، ص ۷۳: (نَادِ عَلِيّاً مَظْهَرَ ٱلْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عَوْناً لَكَ فِي ٱلنَّوَائِبِ...)

۳۔ ابن شاذان، مائة منقبة، ج ۱، ص ۴۶: (اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَهُ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهُ۔)

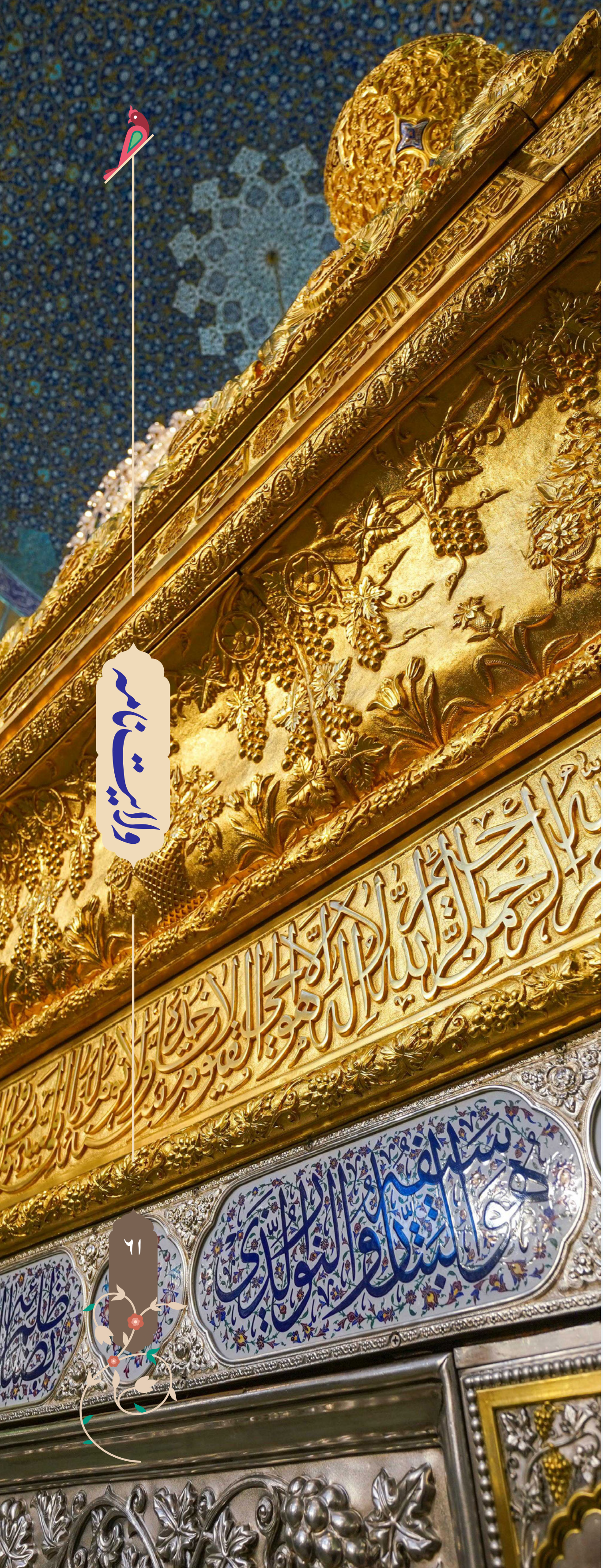

سے ایک توفیق ہے کہ انھوں نے ہمیں اس آستانے پر حاضری اور خدمت کا شرف بخشا ہے۔ درحقیقت، ہماری اس نصرت کا باطن خود ہماری اپنی دستگیری اور ہم پر عنایت ہے؛ بالکل اسی طرح جیسے انبیائے الٰہی علیہم السلام نے ولایتِ امیر المؤمنین علیہ السلام کی نصرت و تبلیغ پر عہد کیا اور اپنی مبارک زندگی کے تمام مراحل میں صاحبِ ولایت کے ذریعے ان کی دستگیری کی گئی۔ اگر انبیا اپنی رسالت کی سختیوں میں آپ کے نام اور حقیقت کی برکت سے نجات پائے، تو ہمارے پاس بھی زمانے کی بلاؤں کے بھنور سے چھٹکارا پانے کے لیے اپنے امامِ زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کی نصرت کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے؛ کیوں کہ زندگی کے سفر میں صرف دو ہی راستے سامنے ہیں: یا ان کی نصرت یا ان کے حق میں کوتاہی۔

حقیقتِ
معجزهٔ
خاتم الانبیا

ولایت کی سمت اس سفر میں، جب کبھی حقیقت کے رخسار پر شک و شبہ کی گرد بیٹھنے لگی، تو بندہ نواز پروردگار نے ایک روشن نشانی بھیج کر ہدایت کی شاہراہ کو گمراہی کی پگڈنڈیوں سے جدا کر دیا۔ معجزہ دراصل اُن عقلوں کے لیے ایک پکار ہے جو اطمینان کے لنگر گاہ کی تلاش میں ہیں۔ ہر رسول اتمامِ حجت کے لیے ایک نشانی رکھتا ہے اور ہر نبی عقلوں کو قائل کرنے کے لیے معجزے کا حامل ہے۔ کوئی عصا کے ذریعے جادو گروں کے طلسم کو پابندِ سلاسل کرتا ہے، تو کوئی اپنی مسیحائی نفس سے بے جان قالب میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے۔ مگر ان تمام رسولوں کے درمیان، وہ ہستی جو رسالت کی چوٹی پر فائز ہے، اس کا معجزہ ہی الگ رنگ کا ہے۔ وہ کلام، جو دلوں اور زبانوں پر حکمرانی کرتا ہے۔ اس معجزے نے نہ صرف آنکھوں کو خیرہ کیا، بلکہ روحوں کو ایک عظیم راز کے مشاہدے کی دعوت دی۔

۱۔ معیارِ اعجاز؛ زمانے کا تقاضا

خداوندِ متعال نے ہر نبی کو اس ہتھیار سے لیس فرمایا جس فن میں اس دور کے لوگ ماہر تھے۔ ابنِ سکیت، جو ایک باریک بین ادیب تھے، انھوں نے ایک روز خورشیدِ ہشتم حضرتِ امام رضا علیہ السلام کی بارگاہ میں معجزات کے مختلف ہونے کی وجہ پوچھی: "کیوں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران کو عصا اور ید بیضا کے ساتھ، اور عیسیٰ کو طبابت کے ساتھ بھیجا، لیکن پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا معجزہ "کلام اور خطبات" کی شکل میں قرار دیا؟۔"[۱]

امام رضا علیہ السلام نے روح پرور بیان کے ساتھ "زمانے کی ضرورت" کا ذکر کیا اور وضاحت فرمائی کہ موسیٰ کے دور میں سحر و جادو کا غلبہ تھا، لہٰذا ایسا معجزہ آیا جس نے جادوگروں کے سحر کو باطل کر دیا۔ عیسیٰ کے دور میں دائمی بیماریاں عام تھیں اور لوگ طبابت کے محتاج تھے؛ چنانچہ انھوں نے مردوں کو زندہ کر کے اور بیماروں کو شفا دے کر حجت تمام کی۔ لیکن پیغمبرِ خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ کے دور میں سخنوری اور فصاحت کا بازار گرم تھا؛ "فصاحت، بلاغت اور شاعری" عربوں کے لیے مایۂ فخر تھی۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسی کتاب بھیجی جس کے کلام نے انسانی طاقت سے بالاتر ہو کر تمام سخنوروں کے دعووں کو خاک میں ملا دیا اور وحی کی حقانیت کو ثابت کر دیا۔[۲] آج بھی، جب کہ اس طلوع کو صدیاں بیت چکی ہیں، امامِ رضا علیہ السلام الٰہی حجت "عقل" کو قرار دیتے ہیں؛ وہ عقل جس کے ذریعے خدا پر سچ بولنے والے کو جھوٹ گھڑنے والے سے الگ پہچانا جا سکتا ہے۔[۳] لیکن اسی عقلِ سلیم نے جب پیغمبر کے معجزے یعنی قرآن میں غور کیا، تو کیا دیکھا؟

۱۔ صدوق، علل الشرایع، ج۱، ص۱۲۱: (لِمَا ذَا بَعَثَ اَللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ مُوسَى بْنَ عِمْرَانَ بِالْعَصَا وَ يَدِهِ اَلْبَيْضَاءِ وَ آلَةِ اَلسِّحْرِ وَ بَعَثَ عِيسَى بِالطِّبِّ وَ بَعَثَ مُحَمَّداً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ بِالْكَلاَمِ وَ اَلْخُطَبِ)

۲۔ ایضاً۔ ہمان، (أَنَّ اَللَّهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى بَعَثَ مُحَمَّداً صَلَّى اَللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ فِي وَقْتٍ كَانَ اَلْأَغْلَبُ عَلَى أَهْلِ عَصْرِهِ اَلْخُطَبَ وَ اَلْكَلاَمَ ... فَأَتَاهُمْ مِنْ كِتَابِ اَللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ ... مَا أَبْطَلَ بِهِ قَوْلَهُمْ ...)

۳۔ ہمان، (فَقَالَ عَلَيْهِ اَلسَّلاَمُ: اَلْعَقْلُ يَعْرِفُ بِهِ اَلصَّادِقَ عَلَى اَللَّهِ فَيُصَدِّقُهُ وَ اَلْكَاذِبَ عَلَى اَللَّهِ فَيُكَذِّبُهُ۔)

۲۔ قرآن: کعبۂ ولایت کا قبلہ نما

قرآن، یہ بیانی معجزہ، اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ کس محور کے گرد گھومتا ہے؟ کیا یہ صرف احکام اور قصوں کا مجموعہ ہے؟ امام صادق علیہ السلام ایک ایسی حقیقت بیان فرماتے ہیں جو تمام آیات کے فہم کی کلید ہے: "اللہ نے ہم اہل بیت کی ولایت کو قرآن کا قطب اور مرکز، بلکہ تمام آسمانی کتابوں کا قطب قرار دیا ہے؛ قرآن کی محکم آیات ہماری ولایت کے مدار پر گھومتی ہیں اور ایمان اسی سے ظاہر ہوتا ہے"۔[۱] یہی وہ مقام ہے جہاں ہم پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ قرآن ایک ایسا شناخت نامہ ہے جس کے ہر ورق پر صاحبِ ولایت کا نام و نشان درج ہے۔ قرآن وہ سمندر ہے جس کی گہرائیوں میں امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت کے موتی پوشیدہ ہیں۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے بارہا اس امر پر زور دیا کہ یہ کتاب علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے امیر المؤمنین علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا "کیا میں تمھیں ایک بشارت نہ دوں؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن تمھارے بارے میں نازل فرمایا ہے"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے یہ آیۂ مبارکہ تلاوت فرمائی: "فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ"[۲] (بیشک اللہ ان کا مولیٰ ہے اور جبرئیل اور صالح المومنین بھی)؛ جس میں حضرت جبرئیل اور "صالح المومنین" کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے مددگاروں کے طور پر یاد کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے تصریح فرمائی کہ "اس بندۂ صالح سے مراد تم ہو اور تمھارے باپ کی نسل سے آنے والے وہ مومنین ہیں جو صالح ہیں"۔[۳]

۱۔ عیاشی، التفسیر، ج۱، ص۵: (إِنَّ اللَّهَ جَعَلَ وَلَايَتَنَا أَهْلَ الْبَيْتِ قُطْبَ الْقُرْآنِ... عَلَيْهَا يَسْتَدِيرُ مُحْكَمُ الْقُرْآنِ۔)

۲۔ سورۂ تحریم، آیت۴۔

۳۔ حسکانی، شواهد التنزیل، ج۲، ص۳۴۷؛ استرآبادی، تأویل الآیات الظاهرة، ص۵۷۰:

پس ثابت ہوا کہ نزولِ قرآن سب سے پہلے اہل بیت علیہم السلام کے مقامِ ولا کا مظہر ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام خود اس نکتے پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "ہم وہ اہل بیت ہیں جن سے کسی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا؛ قرآن ہماری ہی شان میں نازل ہوا اور ہم ہی معدنِ رسالت ہیں"۔[1]

کتابِ الٰہی میں ان فضائل کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ نے غدیر کی تپتی ہوئی سرزمین پر اس تاریخی خطبے میں لوگوں کو خبردار کیا: " "بے شک اللہ عزوجل کے نزدیک علی بن ابی طالب کے اتنے فضائل ہیں اور اللہ نے قرآن میں ان کی اتنی شان بیان فرمائی ہے کہ میرے شمار سے بھی کہیں زیادہ ہیں؛ پس جو کوئی تمھیں ان فضائل سے آگاہ کرے، اس کی تصدیق کرنا"۔[2]

درحقیقت، تمام قرآن آپؑ کے مناقب کے بیان سے لبریز ہے اور سنتِ نبوی آپؑ کے اوصاف کی گواہ ہے؛ کوئی ایسی فضیلت نہیں جس میں آپؑ پیش رو نہ ہوں اور قرآن کا

(قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ فِيكَ قُرْآناً... وَ جِبْرِيلُ وَ صالِحُ الْمُؤْمِنِينَ فَأَنْتَ وَ الْمُؤْمِنُونَ مِنْ بَنِي أَبِيكَ الصَّالِحُونَ.)

۱۔ صدوق، عیون أخبار الرضا علیه السلام، ج ۲، ص ٦٦: (نَحْنُ أَهْلَ الْبَيْتِ لاَ يُقَاسُ بِنَا أَحَدٌ فِينَا نَزَلَ الْقُرْآنُ.)

۲۔ طبرسی، الاحتجاج، ج ۱، ص ۱۶۰: (إِنَّ فَضَائِلَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ قَدْ أَنْزَلَهَا فِي الْقُرْآنِ أَكْثَرُ مِنْ أَنْ أُحْصِيَهَا فَمَنْ أَنْبَأَكُمْ بِهَا وَ عَرَّفَهَا فَصَدِّقُوهُ)

استدلال بھی اسی بنیاد پر ہے کہ بتاؤ تو سہی کس کے پاس علیؑ جیسی فضیلت ہے؟[1]

قرآن کی ہدایت کوئی خیالی ہدایت نہیں ہے، بلکہ اس کا ایک معین اور واضح مقصد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام صادق علیہ السلام آیۂ مبارکہ **"إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ"**[2] (بیشک یہ قرآن اس راستے کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ مستحکم ہے) کی تفسیر میں صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہاس قرآن کا واحد فریضہ امام کی طرف ہدایت کرنا ہے۔[3]

قرآن در حقیقت آپؑ ہی کے فضائل کا قصیدہ خواں ہے۔[4] اور ان تمام فضائل کی فہرست میں امیر المومنین علیہ السلام "افضلِ آلِ محمد صلی اللہ علیہم "اور رفعتوں کی آخری بلندی ہیں۔[5] پس قرآن وہ نقشۂ راہ ہے جو انسان کو آلِ محمد صلی اللہ علیہم کی سب سے برتر ہستی یعنی علی ابن ابی طالب علیہما السلام کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

---

۱ ۔ الأصول الستة عشر، ج ۱، ص ۱۲۴: (نَزَلَ ٱلْقُرْآنُ بِفَضَائِلِهِ وَ تَكَلَّمَ رَسُولُ ٱللَّهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ بِمَنَاقِبِهِ فَهَاتُوا مَنْ لَهُ فَضْلٌ كَفَضْلِهِ...)

۲ ۔ سورہ اسراء، آیت ۹۔

۳ ۔ صفار، بصائر الدرجات، ج ۱، ص ۴۷۷: (إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ... قَالَ يَهْدِي إِلَى ٱلْإِمَامِ.)

۴ ۔ مجلسی، بحار الأنوار، ج ۹، ص ۲۷: (بِفَضْلِكُمْ نَطَقَ ٱلْقُرْآنُ.)

۵ ۔ التفسير المنسوب إلى الإمام العسكري عليه السلام، ج ۱، ص ۱۳۵: (أَنَّ عَلِيّاً أَفْضَلُ آلِ مُحَمَّدٍ.)

۳۔ معجزے کی حقیقت اور سب سے بڑی نشانی

اگر قرآن کا مقصد خورشیدِ ولایت کی طرف اشارہ کرنا ہے، تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کا وہ عینی اور ملموس معجزہ جو روحوں کو حق کی طرف کھینچتا ہے، خود امیر المومنین علیہ السلام کی ذات کے سوا کوئی نہیں۔ لسانِ وحی میں علی بن ابی طالب علیہماالسلام کو خود "معجزہ" اور "نشانی" کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے۔ روزِ غدیر کی عظیم دعا میں ہم باری تعالیٰ کو یوں پکارتے ہیں "تو نے علی علیہ السلام کو اپنے نبی کے لیے ایک نشانی، اپنی سب سے بڑی نشانی (آیتک الکبریٰ) اور صراطِ مستقیم قرار دیا"۔[1] پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے نہایت لطیف پیرائے میں انبیائے کرام کے معجزات اور اپنے معجزے کے درمیان پیوند برقرار کرتے ہوئے فرمایا: "اللہ نے موسیٰ کو عصا دیا، ابراہیم کو آگ کی ٹھنڈک اور عیسیٰ کو حیات بخش کلمات عطا کیے؛ اور مجھے "علی" عطا فرمایا۔ ہر نبی کی ایک نشانی ہوتی ہے اور علی میرے پروردگار کی نشانی ہے"۔[2] یہاں انبیا کی نشانیاں خود ان کی طرف منسوب کی گئیں، مگر پیغمبرِ خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ کی نشانی کو منحصراً خدا کی طرف منسوب کیا گیا، اور یہی "نشانیِ کبریٰ" کے حقیقی معنی ہیں۔

یہ صراطِ مستقیم وہی دین ہے جسے جبرئیل علیہ السلام پیغمبر کے قلب پر لے کر اترے،[3] وہی حقیقت ہے جس کے بارے میں جب امام رضا علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ علی کا نام "ام الکتاب" (سورہ حمد) میں کہاں آیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: آیت "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" میں؛ اس صراط سے مراد علی بن ابی طالب علیہماالسلام ہیں۔[4] پس قرآن وہ پتہ ہے جس کی منزل علی بن ابی طالب علیہماالسلام ہیں۔

۱۔ طوسی، المزار (مناسك المزار)، ج۱، ص۹۰: (عَلِيٌّ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ... وَ جَعَلْتَهُ آيَةً لِنَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ آيَتُكَ الْكُبْرَى وَ صِرَاطُكَ الْمُسْتَقِيمُ.)

۲۔ قندوزی، ینابیع المودہ، ج۲، ص۳۱۷: (وَ أَعْطَانِي هٰذَا عَلِيّاً وَلِكُلِّ نَبِيٍّ آيَةٌ وَ هٰذَا آيَةُ رَبِّي.)

۳۔ کوفی، تفسیر فرات الکوفی، ص۵۱: (اَلصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ دِينُ اللّٰهِ الَّذِي نَزَّلَ جَبْرَئِيلُ عَلَى مُحَمَّدٍ.)

۴۔ عیاشی، التفسیر، ج۱، ص۲۴: (سُئِلَ أَيْنَ ذُكِرَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ فَقَالَ فِي قَوْلِهِ سُبْحَانَهُ: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ هُوَ عَلِيٌّ.)

۴۔ پیغمبر کی تنہائی؛ ابلاغِ ولایت کی قیمت

اسی معجزۂ الٰہی، امت کے رہبر، علمِ ہدایت اور عظیم نشانی یعنی امیر المؤمنین علیہ السلام کی جانشینی کی تبلیغ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کو مخالفتوں کے طوفان کے سامنے لا کھڑا کیا۔ عالم کے "اولِ مظلوم" کی خاطر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی غیر متزلزل حمایت نے تاریک دلوں میں کینہ و حسد کی آگ بھڑکا دی۔ مولا کے لامتناہی فضائل کے منکر لوگوں کے اندھے حسد نے یہاں تک تجاوز کیا کہ انھوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ پر [نعوذ باللہ] جنون کی تہمت لگا دی۔ امامِ صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: قرآن کا یہ ارشاد کہ **"وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ"**[1] (اور تمھارا صاحب مجنون نہیں ہے)، دراصل ان لوگوں کو جواب ہے جو امیر المومنین علیہ السلام کی امامت کے اعلان پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کو مجنون کہہ رہے تھے۔[2]

ان تمام دشمنیوں کی جڑ "حسد" میں پیوست تھی۔ امام کاظم علیہ السلام آیۂ مبارکہ **"أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ"**[3] (یا یہ لوگوں سے اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "ہم ہی وہ لوگ ہیں جن سے خلق نے حسد کیا"۔[4] یہی وہ عوامی حسد، پرانا کینہ اور دوسری طرف حقِ ولایت پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی استقامت تھی جس نے آپؐ کے سینۂ مبارک کو تمام انبیا کی نسبت سب سے زیادہ جفا کے تیروں کا نشانہ بنا دیا؛ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے خود بھرے دل کے ساتھ فرمایا: "جتنا میں ستایا گیا ہوں، کوئی اور نبی نہیں ستایا گیا"۔[5]

۱۔ سورہ تکویر، آیت ۲۲۔

۲۔ قمی، التفسیر، ج ۲، ص ۴۰۸: (وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ... مَا هُوَ بِمَجْنُونٍ فِي نَصْبِهِ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَماً لِلنَّاسِ۔). سورہ نساء، آیہ ۵۴

۳۔ سورہ نساء، آیت ۵۴۔

۴۔ صفار، بصائر الدرجات، ج ۱، ص ۳۵: (أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ قَالَ نَحْنُ الْمَحْسُودُونَ۔)

۵۔ ابن شهر آشوب، المناقب، ج ۳، ص ۲۴۷: (مَا أُوذِيَ نَبِيٌّ مِثْلَ مَا أُوذِيتُ۔)

اس پرفراز و نشیب راستے پر غور کرنے سے ایک سنگین حقیقت سے پردہ اٹھتا ہے: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کا حقیقی معجزہ محض "وحیِ مکتوب" نہ تھی، بلکہ ایک ایسی برتر ہستی کی قامت میں اعجازِ الٰہی کا ظہور تھا جس کے ہاتھ "غدیرِ خم" میں آسمان کی طرف بلند ہوئے تاکہ افلاک اپنے قبلے کو پہچان لیں۔ مگر افسوس کہ انسانی آنکھیں اس بے حجاب سورج کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکیں۔ وہ تمام اذیتیں، وحی کے سر پر ڈالی گئی خاکستر، نبوت کے سینے پر تلے گئے ناروا الزامات اور تیئیس سالہ بے شمار دکھ، وہ قیمت تھی جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنی ہر سانس سے ادا کی؛ تاکہ جاہلیت کے بگولوں کے درمیان سے اس "معجزۂ ناطق" کو سلامتی سے گزار سکیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ جانتے تھے کہ امیر المومنین علیہ السلام کے بغیر وحی ایک ایسے بے قالب روح کی مانند ہے جو تحریف کے بھیڑیوں کے پنجوں میں پارہ پارہ ہو جائے گی۔

۵۔ غدیر: معجزے کی روح سے پردہ کشائی

ہم ایک بار پھر ابنِ سکیت کے اسی سوال کی طرف لوٹتے ہیں کہ آج خلق پر حجت کیا ہے؟" اور امام رضا علیہ السلام کا جواب اب بھی وقت کے کانوں میں گونج رہا ہے: "عقل"۔ یہ عقل ہی ہے جو قرآن کی فصیح آیات میں تدبر کر کے یہ جان لیتی ہے کہ یہ کلامِ الٰہی محض ایک ادبی متن نہیں، بلکہ وہ رہنما ہے جو انسان کا ہاتھ "معجزۂ ناطق" کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ اگرچہ قرآن نے فصاحت و بلاغت کے میدان میں عرب کے بڑے بڑے سخنوروں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا، مگر اس کتاب کی روح اور اس معجزے کی حقیقت وہ مقدس وجود ہے جس کی طرف یہ "قرآنِ صامت" (خاموش قرآن) محض ایک اشارہ ہے۔

قرآن، پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے دائمی معجزے کے طور پر، اپنے تمام ظاہری اور باطنی پہلوؤں میں امیر المومنین علیہ السلام کے وجودی محور کے گرد گھومتا ہے؛ اور اس معجزے کی اصل روح آپؑ کے برحق وصی کے سوا کوئی نہیں۔ غدیر وہ دن ہے جس میں "معجزۂ صامت" (قرآن) اور "معجزۂ ناطق" (ولایت) ایک دوسرے سے پیوست ہو گئے تاکہ صراطِ مستقیم قیامت تک روشن رہے۔ اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اپنی عقل کے ذریعے "اللہ کے سچے" کو پہچانیں اور اس سورج کے سائے تلے پناہ لیں جسے پیغمبرؐ نے غدیر کے میدان میں بلند کیا تھا۔

غدیر اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی مظلومانہ مگر پُر صلابت پکار ہے جس نے اپنے آخری قدم پر تمام انبیا کی میراث اس ہستی کے سپرد کر دی جس کے حصے میں دنیا کی طرف سے امت کے

دیے ہوئے زخم آئے، اور انصاف کی خاطر وہ تلوار آئی جو کبھی نیام میں نہ گئی۔ واحسرتا! کہ وہ ہاتھ جو آسمان کی بلندیوں میں ایک دوسرے سے جڑے تھے، کچھ ہی عرصے بعد دیرینہ کینوں کی زنجیروں میں جکڑ دیے گئے!

امیر المومنین علیہ السلام کی پہچان انسانی روح کی اضطراری ضرورت ہے۔ وہ "قطبِ عالمِ امکان" اور بندگی کا واحد صراطِ مستقیم ہیں۔ وہ ایسی گمشدہ حقیقت ہیں کہ بیدار عقل صدیوں کے شور و غل میں بھی صرف ان کا نام سن کر تڑپ اٹھتی ہے اور اپنی پیاسی روح کو توحید کے سمندر سے جوڑ دیتی ہے۔

تبلیغِ ولایت میں
جہاد نبوی

جب پہاڑ بارِ امانت اٹھانے سے کترائے، تو وہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ کا سینۂ فراخ تھا جو ثِقلِ وحی کا متحمل ہوا۔ تئیس برس تک مکے کی گلیاں اور مدینے کے نخلستان اس ہستی کے تھکن ناآشنا قدموں کے گواہ رہے، جو بشریت کے ہاتھ پاؤں سے جہالت کی زنجیریں کاٹنے اور تاریخ کی غبار آلود آنکھوں کو بندگی کے نور سے روشن کرنے آئی تھی۔ لیکن حادثات کی تند ہواؤں اور جاہلیت کے سوئے ہوئے کینوں کے مقابلے میں اس گراں قدر میراث کی حفاظت ممکن نہ تھی، مگر یہ کہ ہدایت کا علم ان ہاتھوں میں سونپا جائے جو خود عینِ حقیقت ہو۔

پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ کی جدوجہد محض کعبے میں رکھے ہوئے لکڑی اور پتھر کے بتوں کو توڑنے تک محدود نہ تھی؛ بلکہ آپ کا سب سے کٹھن اور عظیم جہاد، ذہنوں سے تعصب کے بت گرانا اور سینوں کی سنگلاخ زمین میں "ولایت" کا بیج بونا تھا۔ امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت کی حقیقت — جیسا کہ ناواقف لوگ گمان کرتے ہیں — کوئی ایسا ہنگامی فیصلہ نہ تھا جو محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ کی ظاہری زندگی کے آخری ایام میں لیا گیا ہو؛ بلکہ یہ وہ جوہرِ جاں تھا جو بعثت کی پہلی جنبشوں سے لے کر غدیر کی تپتی دوپہر تک، قطرہ قطرہ ہمارے دین کی رگوں میں اتارا گیا تاکہ ایمان اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ نور کی یہ خطِ طویل بتاتی ہے کہ کس طرح رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے بے نظیر استقامت کے ساتھ اپنی رسالت کا تمام تر سرمایہ اور آبرو، اس "نبائے عظیم" یعنی ولایت کی تبلیغ کے لیے وقف کر دیا، تاکہ امت کی یہ کشتیِ نجات، فتنوں کے طوفانی سمندر میں کسی ناخدا کے بغیر تنہا نہ رہ جائے۔

۱۔ ولایت کے محور میں دین کا آغاز

تاریخِ رسالت، آسمانی سفیروں کی وہ طویل صف ہے جس کے ہر مسافر نے جہالت کے اندھیروں کو چیرنے کے لیے ہاتھ میں مشعل تھامی؛ مگر ہدایت کی یہ شاہراہ، تاریخ کے پہلے قدم سے لے کر نبوت کی آخری سانس تک، ایک ہی حقیقت پر قائم رہی ہے۔ اگر ہم نظامِ بعثت کی گہرائی پر نظر ڈالیں، تو یہ حقیقت روشن ہوتی ہے کہ خاکِ زمیں پر کوئی بھی پیغمبر اس وقت تک جلوہ گر نہیں ہوا، جب تک وہ ایک واحد حقیقت کی تبلیغ پر مامور نہ ہوا۔ امامِ صادق علیہ السلام اس حیرت انگیز راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تاریخ میں کوئی بھی نبی مبعوث نہیں ہوا، مگر یہ کہ اس کے پیشِ نظر اہل بیتؑ کے حق کی معرفت اور دوسروں پر ان کی فضیلت کا اقرار تھا۔[۱] یہ ولایت دراصل وہ رشتۂ جاں اور تسبیح کا وہ دھاگہ ہے جو تمام رسالتوں کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے؛ یہاں تک کہ امام باقر علیہ السلام واضح طور پر فرماتے ہیں کہ ہماری ولایت ہی اللہ کی ولایت ہے اور کوئی بھی نبی اس کے بغیر مبعوث نہیں ہوا۔[۲]

جب خلقت کی گھڑیاں اپنی خوبصورت ترین بہار کو پہنچیں اور غارِ حرا حق کے آخری اور برترین سفیر کی خلوت گاہ بنا، تو اس سے پہلے کہ "اقرأ" کی صدا پیغمبر کے سینے میں گونجے، عرشِ بریں

۱۔ کلینی، الکافی، جلد۱، صفحہ۴۳۷: (مَا مِنْ نَبِيٍّ جَاءَ قَطُّ إِلَّا بِمَعْرِفَةِ حَقِّنَا وَ تَفْضِيلِنَا عَلَى مَنْ سِوَانَا۔)

۲۔ الأصول الستة عشر، صفحہ۶۰: (وَلَايَتُنَا وَلَايَةُ اللّٰهِ الَّتِي لَمْ يَبْعَثْ نَبِيّاً قَطُّ إِلَّا بِهَا۔)

سے ایک پیغام نازل ہوا۔ جبرئیلِ امینؑ زمین پر اترے اور پروردگار کا خصوصی سلام و تحیت پہنچانے کے بعد، رسولِ خاتم کی سنگین ذمہ داری کی وضاحت یوں فرمائی: آپ تمام جن وانس کی طرف اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں جنھیں خلق کو بندگی کی دعوت دینی ہے اور ان سے یہ اقرار لینا ہے کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اس کے رسول ہیں، اور علی اس کے ولی ہیں"۔ جبرئیلؑ نے اپنا پر زمین پر مارا تو وہاں سے ایک چشمہ ابل پڑا، نبی کریم نے اس کا پانی نوش فرمایا اور وضو کیا، جس کے بعد سورہ علق کی آیات تلاوت ہوئیں۔[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی سحر، کسی بھی شے سے پہلے، امیر المؤمنین علیہ السلام کے نامِ نامی سے جڑی ہوئی ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام درحقیقت وہی دینِ برگزیدہ ہیں جسے کبھی زوال نہیں۔ جب امامِ صادق علیہ السلام سے **"كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ"** (قصص: ۸۸) (ہر شے فنا ہونے والی ہے سوائے اس کے وجہ کے) اس آیۂ مبارکہ کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپؑ نے فرمایا: اس "وجہ" سے مراد اللہ کا وہ دین ہے جو کبھی نابود نہیں ہوتا؛ اور بیشک نبی کریم اور امیر المؤمنین صلی اللہ علیہما وآلہما ہی اللہ کا وہ دین، اس کا "وجہ" اور بندوں کے درمیان اس کی آنکھ، زبان اور دستِ قدرت ہیں۔ یہ ہستیاں بارگاہِ حق تک رسائی کا وہ راستہ ہیں جو ہمیشہ خلق کے درمیان موجود رہیں گی اور ان کا فیض جاری وساری رہے گا اس وقت تک کہ جب تک پروردگار ان پر اپنا نظرِ کرم جاری رکھے۔[2]

۲۔ ولایت؛ توحید کی حقیقت

دینِ اسلام کی تعمیر و معماری اس قدر لطیف اور حکیمانہ ہے کہ اس کی ہر اینٹ پیغمبر کے برحق جانشین کے نام سے جڑی ہوئی ہے۔ اس مکتب میں امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت، عام تصور کے برعکس، توحید پر کوئی اضافہ نہیں بلکہ عینِ توحید ہے۔ یہ وہ محور ہے کہ اگر کوئی اس سے باہر نکل جائے تو اس کی توحید، توحید نہیں رہتی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اس دین کا دروازہ علیؑ کے ہاتھوں سے کھولا اور اسے کامیابی عطا کی؛ اگر آپؑ نہ ہوں تو دین تنزلزل اور فساد کا شکار ہو جائے گا، جسے مہدیِ موعود عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کے

۱۔ بحرانی، البرهان فی تفسیر القرآن، جلد ۵، صفحہ ۶۹۶: (يَا مُحَمَّدُ، رَبُّكَ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ... أَنْتَ رَسُولِي إِلَى الثَّقَلَيْنِ... وَأَنْ يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، عَلِيٌّ وَلِيُّ اللَّهِ... وعلّمه اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ

۲۔ صدوق، التوحید، صفحہ ۱۵۱؛ مجلسی، بحار الأنوار، جلد ۲۴، صفحہ ۱۹۷: (كَانَ رَسُولُ اللَّهِ (ص) وَأَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ (ع) دِينَ اللَّهِ وَوَجْهَهُ...)

سوا کوئی درست نہ کر سکے گا۔[۱]

پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے توحید کو "نصفِ دین" قرار دیا ہے۔[۲] مگر سوال یہ ہے کہ یہ آدھا دین اپنی تمامیت اور کمال کو کیسے پہنچتا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ بندگی کی پیاس صرف "لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ" کی صدا سے مکمل نہیں ہوتا بلکہ تشنہ رہتا ہے؛ توحید کی حقیقت اس وقت زیورِ کمال سے آراستہ ہوتی ہے جب روح کی گہرائیوں میں "علی ولی اللہ" کے اقرار کی مہر ثبت ہو جائے۔ اس تکامل کا جواب کلامِ نبوی میں تلاش کرنا چاہیے، جہاں آپ نے امیر المومنین علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اللہ کی پہچان میرے ذریعے اور پھر تمھارے ذریعے ہی ممکن ہے؛ جس نے تمھاری ولایت کا انکار کیا، اس نے حقیقت میں اللہ کی ربوبیت کا انکار کیا"۔[۳] یعنی ولایت کے بغیر توحید کا دعویٰ اصل میں ربوبیت کا انکار ہے۔

یہ باہم جڑی ہوئی حقیقت انسان کی فطرت میں گندھی ہوئی ہے۔ امامِ صادق علیہ السلام آیت "فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا" (روم: ۰۳) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

۱۔ حسکانی، شواهد التنزیل (بحواله احقاق الحق، جلد ۷، صفحه ۳۶۲): (إِنَّ اللّٰهَ فَتَحَ هَـٰذَا الدِّينَ بِعَلِيٍّ، وَإِذَا قُتِلَ فَسَدَ الدِّينُ وَلَا يُصۡلِحُهُ إِلَّا الۡمَهۡدِيُّ۔)

۲۔ ابن بابویه (صدوق)، صحیفة الإمام الرضا علیه السلام، صفحه ۵۲: (قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (ص): اَلتَّوۡحِيدُ نِصۡفُ الدِّينِ۔)

۳۔ هلالی، کتاب سلیم بن قیس، جلد ۲، صفحه ۸۵۳: (يَا عَلِيُّ، مَا عُرِفَ اللّٰهُ إِلَّا بِي ثُمَّ بِكَ؛ مَنۡ جَحَدَ وَلَايَتَكَ جَحَدَ اللّٰهَ رُبُوبِيَّتَهُ۔)

یہ فطرت وہی توحید، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی رسالت اور امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت ہے۔[1] امام رضا علیہ السلام اسی مفہوم کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ الٰہی سرشت سے مراد "لا إله إلاّ الله، محمّد رسول الله، عليٌّ أمير المؤمنين" پر ایمان لانا ہے؛ آپؑ نے تصریح فرمائی کہ سچی توحید کی سرحدیں یہیں تک ہیں اور اس آخری کڑی کے بغیر رب کی پہچان ادھوری ہے۔[2]

قرآنِ کریم حقیقی ولایت کو صرف اللہ کے لیے قرار دیتا ہے۔ لیکن یہ الٰہی ولایت زمین پر کیسے ظاہر ہوتی ہے؟ امامِ صادق علیہ السلام آیت "هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ "[3] کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت بالکل امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت کے معنی میں ہے جو اللہ ہی کی ولایت ہے۔[4] امام کاظم علیہ السلام بھی اسی راستے کی وضاحت فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول کو اپنے جانشین کی ولایت کا حکم دیا، کیونکہ ولایت ہی دینِ حق ہے۔[5]

۱۔ مجلسی، بحار الأنوار، جلد ۳، صفحہ ۲۸۰: (هِيَ التَّوْحِيدُ وَ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللَّهِ وَ أَنَّ عَلِيّاً أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ۔)

۲۔ قمی، تفسیر القمی، جلد ۲، صفحہ ۱۵۴: (هُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، عَلِيٌّ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَلِيُّ اللَّهِ؛ إِلَى هَاهُنَا التَّوْحِيدُ۔)

۳۔ سورہ کہف، آیت ۴۴۔

۴۔ استرآبادی، تأویل الآیات الظاهرة، جلد ۱، صفحہ ۲۸۹: (يَعْنِي الْوَلَايَةَ لِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ (ع) هِيَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ۔)

۵۔ ایضاً، صفحہ ۶۶۱: (هُوَ الَّذِي أَمَرَ اللَّهُ رَسُولَهُ بِالْوَلَايَةِ لِوَصِيِّهِ وَ الْوَلَايَةُ هِيَ دِينُ الْحَقِّ۔)

چنانچہ وہ توحید جو ولایت سے نہ جڑی ہو، وہ توحید نہیں بلکہ توحید کا وہم ہے؛ اور وہ عبادت جو اس دائرے سے باہر ہو، نہ صرف قرب کا سبب نہیں بنتی بلکہ ایک دھوکا دینے والا سراب ہے۔ امام باقر علیہ السلام ایک انتباہی بیان میں فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کی عبادت میں خود کو تھکا ڈالے لیکن اللہ کی جانب سے کسی عادل امام پر یقین نہ رکھتا ہو، تو اس کی تمام کوششیں ناقابلِ قبول ہیں اور وہ خود گمراہی اور سرگردانی میں بھٹک رہا ہوگا۔[1] صرف اس مضبوط قلعے (حصنِ حصین) کو قبول کر کے ہی انسان اس الٰہی کلام کا حقیقی مصداق بن سکتا ہے کہ فرمایا: "إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلامُ"۔[2]

۳۔ غدیر؛ رسالتِ محمدی کا شاندار اختتام

رسالتِ نبوی کا وہ سفر جو غارِ حرا کی لطافت سے شروع ہوا تھا، اسے غدیر کی صلابت کے ساتھ کمال تک پہنچنا تھا۔ امام حسن عسکری علیہ السلام کمالِ دین کی اس حقیقت کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ: "اسلام وہ دین ہے جس کی تمامیت اور تکمیل، صرف اور صرف امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت پر یقین رکھنے سے حاصل ہوتی ہے"۔[3]

جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی عمرِ مبارک کا ظاہری سفر اپنے اختتام کے قریب پہنچا، تو تمام الٰہی فرائض اور احکامات یکے بعد دیگرے نازل ہو چکے تھے۔ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "ولایت" وہ آخری فریضہ تھا جو آسمان سے نازل ہوا، اور اس کے بعد خداوندِ متعال نے آیۂ اکمال کے ذریعے شریعت کے باب کو مکمل کرتے ہوئے فرمایا: "اب اس کے بعد میں تم پر کوئی نیا فریضہ نازل نہیں کروں گا، کیونکہ میں نے تمھارے لیے تمام فرائض کو مکمل کر دیا ہے"۔[4]

امامِ صادق علیہ السلام بھی اس آیۂ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ نے دین کو ہماری ولایت کے ذریعے مکمل کیا اور اسلام کو بطورِ دین اس وقت پسند فرمایا؛ یعنی تم سے یہ تقاضا کیا

۱۔ برقی، المحاسن، جلد۱، صفحہ ۹۲: (إِنَّ مَنْ دَانَ اللّٰهَ بِعِبَادَةٍ يُجْهِدُ فِيهَا نَفْسَهُ بِلَا إِمَامٍ عَادِلٍ مِنَ اللّٰهِ فَإِنَّ سَعْيَهُ غَيْرُ مَقْبُولٍ۔۔۔)

۲۔ سورہ مبارکہ آل عمران، آیہ ۱۹۔

۳۔ التفسیر الإمام العسکری علیہ السلام، ص ۶۲۶: (اَلْإِسْلَامِ الَّذِی تَمَامُهُ بِاعْتِقَادِ وَلَايَةِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔)

۴۔ کلینی، الکافی، جلد۱، صفحہ ۲۸۹: (وَكَانَتِ الْوَلَايَةُ آخِرَ الْفَرَائِضِ۔۔۔ قَدْ أَكْمَلْتُ لَكُمُ الْفَرَائِضَ۔)

کہ اب ہمارے احکامات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دو۔[1]

لیکن کیا یہ عظیم اعلان صرف ایک دوپہر اور ایک تپتے ہوئے صحرا میں ہوا؟ قطعی طور پر ایسا نہیں ہے۔ یہ عظیم ہدف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی زندگی میں بارہا دہرایا گیا۔ امام باقر علیہ السلام کینہ پروروں کے بغض کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ انھوں نے امیرالمومنین کی ولایت کو برداشت نہیں کیا، حالانکہ اللہ نے بدر، حنین، بطنِ نخلہ، یومِ ترویہ اور یومِ عرفہ میں اس ولایت کا حکم دیا تھا۔ اسی آخری حج کے سفر میں آپ کی فضیلت میں پندرہ آیات نازل ہوئیں جنھیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے مسجد الحرام، جحفہ اور آخر کار غدیرِ خم میں بلند آواز سے لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنائیں۔[2]

یوں رسالت کا وہ دائرہ، جو غارِ حرا میں ولایت کے پیغام سے شروع ہوا تھا، خم کے کنارے اسی ولایت کے باضابطہ اعلان پر مکمل ہوا۔ اس نورانی سفر میں پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ کی تمام تر جدوجہد محض چند آیات کی تلاوت یا اوامر و نواہی تک محدود نہ تھی، بلکہ اس کا مقصد تاریخ کے قلب میں ولایت کا بیج بونا تھا؛ وہ بیج کہ اگر دشمنی اور انکار کی آگ اسے جھلسا نہ دیتی، تو آج انسانیت بندگی کی ابدی بہار سے ہمکنار ہوتی۔ یہی وہ بے مثال میراث ہے جو حق کے خیمے کا ستون اور اس کی شیرازہ بندی ہے، اور اس کی حفاظت کرنا تمام آسمانی اہداف کی پاسبانی کے مترادف ہے۔

غرض یہ کہ، تمام فرستادگانِ الٰہی کے مصائب اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ کی انتھک جدوجہد نے ـــ حرا کی تنہائی سے لے کر بدر و حنین کے میدانوں تک ـــ قدم بہ قدم اس عمارت کو بلند کیا، جس کی آخری اینٹ اور حتمی شکوہ غدیرِ خم میں ظاہر ہوا۔ اس ابدی میعاد گاہ میں توحید کا دعویٰ حقیقتِ ولایت سے جڑ گیا، تاکہ عالمین پر ثابت ہو جائے کہ جو اس چشمے سے سیراب نہ ہوا، وہ ابد تک بے مغز اور جھوٹی عبادتوں کے سراب میں بھٹکتا رہے گا۔ غدیر بندگی کے رجسٹر پر پروردگار کی رضا کے دستخط ہیں؛ وہ دن جب دین کا سورج کمال کو پہنچا، نعمت کا چشمہ بھر گیا اور آسمان نے امیرالمؤمنین علیہ السلام کے نامِ نامی کی عظمت کے سامنے ہمیشہ کے لیے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

۱۔ ابن شہر آشوب، مناقب آل أبي طالب، جلد ۳، صفحہ ۲۳: (اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ... بِوَلَايَتِنَا...)

۲۔ فتال نیشابوری، روضة الواعظین، جلد ۱، صفحہ ۱۰۶: (كَانَ أَمْرُ اللّٰهِ بِوَلَايَتِهِ يَوْمَ بَدْرٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ... وَبِالْجُحْفَةِ وَبِخُمٍّ۔)

غدیر

لمحه به لمحه

تاریخ کبھی ایک تپتی دوپہر میں سمٹ آتی ہے اور زمین کا جغرافیہ کبھی ایک تالاب کے کنارے وسعتِ ابدیت کو چھو لیتا ہے۔ غدیر محض بیابان کے بیچ میں پیش آنے والا ایک واقعہ نہیں، بلکہ رسالت کی دھڑکتی نبض اور امامت کا مرکزی نقطہ ہے۔ اٹھارہ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو جو کچھ گزرا، وہ محض ایک سادہ سا پیغام نہ تھا، بلکہ اس پیغمبر کے ۲۳ سالہ رنج و محن کا حاصل تھا جو ملکوت سے خاک تک ایک ایسی رسی کھینچنا چاہتے تھے تاکہ بشر غیبت کے پیچ و خم میں راہِ راست کو گمراہی سے پہچان سکے۔ اس سمندر کی گہرائی کو سمجھنے کے لیے روایات کے صاف شفاف چشموں سے گھونٹ گھونٹ پینا ہوگا؛ اس طرح سے کہ ہر دیکھنے والے نے اس الٰہی منظر کشی کے ایک منفرد گوشے کی روایت کی ہے۔ اس تحریر میں ہم "حجۃ الوداع" کے کارواں کے ساتھ قدم بہ قدم چلتے ہوئے، اس عظیم واقعے کے نورانی لمحات کی ورق گردانی کریں گے۔

پہلا منظر: مکہ سے غدیر تک؛ مقدماتِ وحی کا پیش خیمہ

۱۔ ایک امرِ عظیم کی آمادگی؛ کمال کی طرف ہجرت:

پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنی تاریخی ہجرت کے بعد تین بار مکہ میں قدم رکھا؛ لیکن ۱۰ ہجری کا یہ تیسرا سفر ایک الگ ہی رنگ و بو کا حامل تھا۔ اس بار الٰہی فرمان کے تحت آپ نے "حجۃ الوداع" کا عزم فرمایا تاکہ اسلام کے دو بنیادی ستونوں کو مستحکم کریں: "مناسکِ حج کی دقیق وضاحت" اور "نظامِ امامت و ولایت" کا رسمی ابلاغ۔[۱]

۲۔ مشتاق قافلوں کا الحاق:

مدینہ کی گلی گلی اور کوچے کوچے میں منادیانِ نبوی نے یہ صدا بلند کی کہ جو بھی استطاعت رکھتا ہے، وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے ہمراہ روانہ ہو جائے۔ یہ سن کر نہ صرف مدینہ، بلکہ گرد و نواح کے تمام قبائل میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ مکہ کی جانب انسانی سروں کا ایک ایسا سمندر اُمڈ آیا جس کی

۱۔ مجلسی، بحار الأنوار، ج۳۷، ص۲۰۱۔

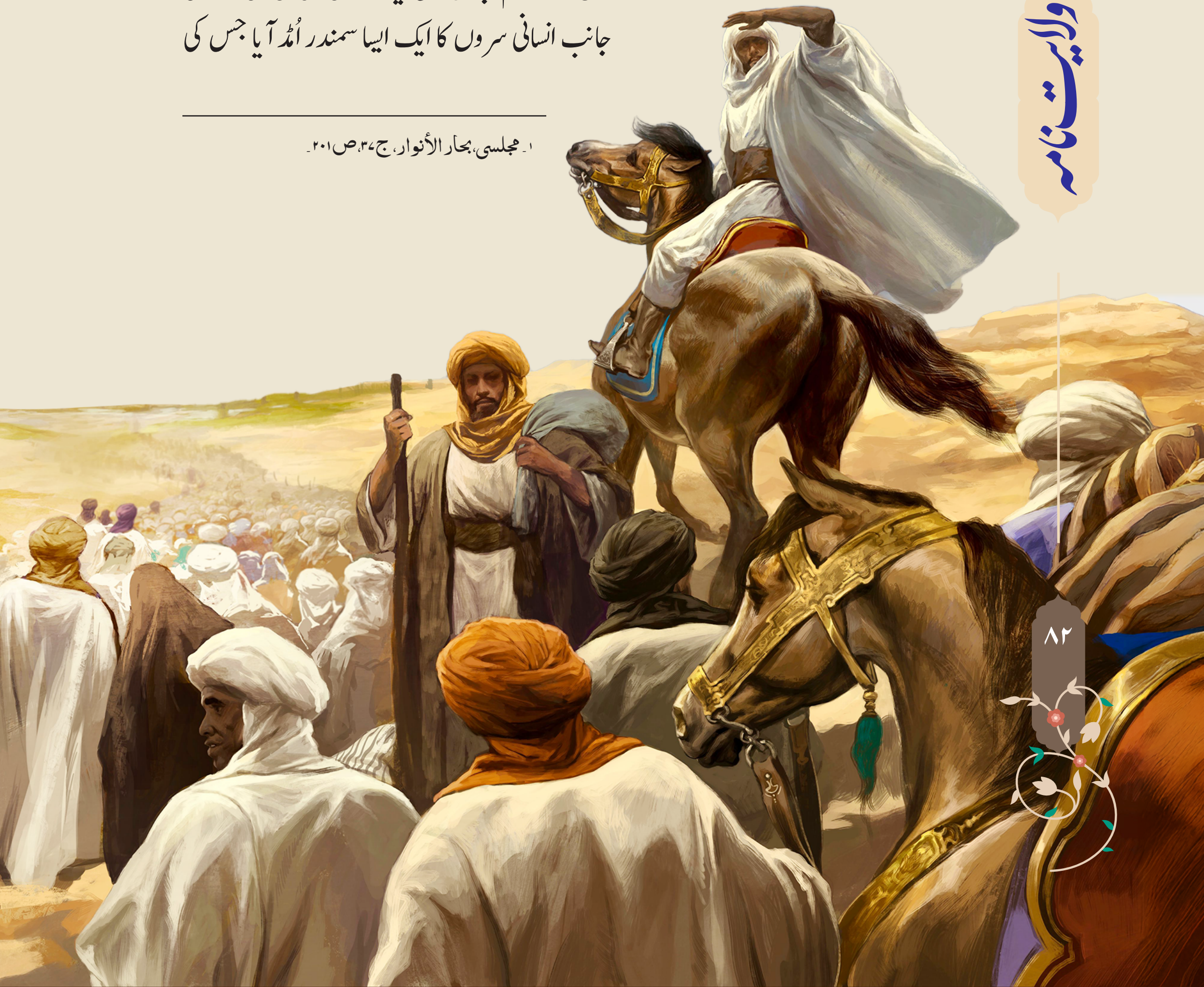

تعداد ستر ہزار سے ایک لاکھ اسی ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ جب یہ قافلہ چلا، تو یوں لگا جیسے مکہ کی طرف نور کا ایک دریا رواں دواں ہے۔ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنے ارشادات میں یہ اشارہ فرمادیا تھا کہ "شاید کعبے سے یہ میری آخری ملاقات ہو" اور اسی ایک جملے نے لوگوں کے دلوں میں ہمراہی کے اشتیاق کی آگ کو دوبرابر کر دیا تھا۔ اس سفر کی سب سے مسرت انگیز بات بضعۂ رسول حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور نبیِ اعظم کے دونوں نورِ نظر، امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی موجودگی ہے۔[1]

۳. اپنے نفس کے دیدار کا مشتاق رسول:

اسی دوران، امیر المومنین علیہ السلام جو توحید کی تبلیغ اور شرعی حقوق کی وصولی کے لیے نجران اور یمن گئے ہوئے تھے، رسولِ خدا کا خط ملتے ہی یمن کے ۱۲ ہزار افراد کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ کے قریب، مناسکِ حج کے آغاز سے عین پہلے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ سے جاملے اور آپ کی آغوشِ محبت میں قرار پائے۔[2]

۱۔ بحرانی، عوالم العلوم، ج۳/۱۵، ص۱۶۷؛ امینی، الغدیر، ج۱، ص۹۔

۲۔ مجلسی، بحار الأنوار، ج۲۱، ص۳۶۰؛ ج۲۸، ص۹۵۔

۴. کعبہ اور مسجدِ خیف کے سائے میں خطبات:

غدیر پہنچنے سے قبل، پیامبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے منیٰ اور مسجدِ خیف میں ولایت کے باقاعدہ اعلان کے لیے زمینہ سازی فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے منیٰ کے خطبے میں جان و مال کے تحفظ پر تاکید کرتے ہوئے واضح طور پر فرمایا کہ "اگر میں نہ رہا، تو علی بن ابی طالبؑ ان لوگوں کے سامنے ڈٹ جائیں گے جو انحراف کریں گے"۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے "حدیثِ ثقلین" ارشاد فرمائی تاکہ لوگوں کے کان لفظِ "عترت" سے مانوس ہو جائیں۔ ایک دلچسپ اور قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ اس خطاب کے دوران، امیرالمومنین علیہ السلام، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ کے ارشادات کو بلند آواز میں دہرا رہے تھے تاکہ وہ لوگ بھی سن سکیں جو فاصلے پر موجود تھے۔[1]

دوسرا موقع مسجدِ خیف کا تھا جہاں آپ نے عمل میں اخلاص، پیشوائے مسلمین کے لیے خیر خواہی اور تفرقہ سے دوری کی وصیت فرمائی اور الٰہی حقوق و قوانین کے پیشِ نظر تمام مسلمانوں کی برابری پر زور دیا۔ یہاں بھی آپ نے حدیثِ ثقلین کے ذریعے غدیر کے لیے راستہ ہموار کیا۔ اسی دوران منافقین نے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے اپنی سازشیں شروع کر دیں اور خلافت غصب کرنے کے لیے منحوس عہد نامے لکھے اور ایک دوسرے کے ساتھ قسمیں کھائیں۔[2]

۵. نبوت کی امانتوں کی منتقلی اور بے مثل لقب:

ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ مکہ ہی میں تشریف فرما تھے کہ جبرئیلِ امینؑ وحی لے کر نازل ہوئے: "آپ کی نبوت (کا زمانہ) اختتام کو پہنچ رہا ہے؛ لہٰذا تمام انبیا کی میراث ـــ صُحفِ آدمؑ سے لے کر عصائے موسیٰؑ اور سلیمانؑ کی انگوٹھی تک ـــ علی بن ابی طالبؑ کے سپرد کر دیجیے؛ کیوں کہ میں زمین کو ایسے عالم شخص کے بغیر تنہا نہیں چھوڑوں گا جس کے ذریعے

---

۱ ایضا، ج۳۷ص۱۱۳، ج۲۱ص۳۸۰۔

۲۔ ایضا، ج۳۷ص۱۱۴

میری اطاعت اور ولایت پہچانی جائے اور جو میرے نبی کے بعد میری حجت ہو"۔[1] چنانچہ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے ایک شبانہ روز پر محیط طویل خلوت میں "اسمِ اعظم"، "آثارِ علم" اور گزشتہ انبیا کی تمام میراث اپنے جانشین کو منتقل فرما دی۔ اسی مقام پر حکمِ الٰہی آیا کہ سب لوگ علی علیہ السلام کو "امیر المومنین" کے لقب سے سلام کریں۔ اس فرمان کے تحت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے حکم دیا کہ اصحاب ایک ایک کر کے آپؑ کے پاس جائیں اور **"السلام علیك یا امیر المومنین"** کہہ کر سلام کریں، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ اپنی زندگی ہی میں ان سے علیؑ کی وصایت کا اقرار لے لیں۔ اگرچہ یہ لقب اس سے پہلے بھی آپؑ کے لیے معین ہو چکا تھا، لیکن جب تاریخ کی بعض مشہور شخصیات نے اعتراض بھرے لہجے میں پوچھا کیا یہ حکم خدا کی طرف سے ہے؟ تو پیامبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے جلال کے عالم میں جواب دیا "یہ خدا اور اس کے رسول کی جانب سے ایک ثابت اور اٹل فیصلہ اور حق ہے"۔[2]

دوسرا منظر: ظہرِ غدیر؛ تاریخ کے بلند منبر پر

٦. وعدہ گاہِ غدیر؛ جہاں وقت تھم گیا:

کوچ کا حکم صادر ہوا اور منادیِ رسالت نے بانگِ رحیل بلند کی۔ اگرچہ یہ توقع تھی کہ پیامبرِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ برسوں کی دوری کے بعد بطحیٰ (مکہ) ہی میں قیام فرمائیں گے، مگر ایک خاص امرِ الٰہی کی تعمیل اور ایک عظیم پیغام کی تبلیغ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے حکم دیا کہ معذوروں کے سوا کوئی بھی مکہ میں باقی نہ رہے۔ پیر کے دن، اٹھارہ ذی الحجہ کو دوپہر کے قریب جب یہ کارواں "کُراع الغَمیم" کے علاقے میں پہنچا، تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنا

١۔ ایضاً۔ ج٢٨، ص٩٦؛ ج٣٧، ص١١٣۔

٢۔ ایضاً، ج٣٧، ص١١١؛ بحرانی، عوالم العلوم، ج٣/١٥، ص٣٩۔

راستہ غدیرِ خم کی سمت موڑ دیا اور ایک ملکوتی صدا کے ساتھ پکارا: **"أَيُّهَا النَّاسُ، أَجِيبُوا دَاعِيَ اللّٰهِ، أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ"** (اے لوگو! اللہ کی طرف بلانے والے کی پکار پر لبیک کہو، میں اللہ کا رسول ہوں)۔

توقف کے اس حکم نے انسانی سروں کے اس ٹھاٹھیں مارتے سمندر کو ساکن کر دیا؛ جو آگے نکل چکے تھے وہ غدیر کی حدود میں واپس لوٹ آئے اور جو پیچھے رہ گئے تھے وہ مجمع سے آ ملے۔ تپتی ہوئی زمین پر تمازت کے کوڑے برس رہے تھے اور سورج کی حدت کا یہ عالم تھا کہ حاضرین کے پاس اپنی ردا کے سوا کوئی پناہ گاہ نہ تھی؛ انھوں نے ردا کا آدھا حصہ سروں پر تان لیا تھا تاکہ آسمانی آگ سے بچ سکیں اور آدھا پاؤں کے نیچے بچھا دیا تھا تاکہ زمین کی تپش سے امان پائیں۔[1]

۱۔ مجلسی، بحار الأنوار، ج ۲۱، ص ۳۸۵ و ۳۸۷؛ ج ۳۷، ص ۱۱۱، ۱۵۸، ۱۷۳ و ۲۰۴؛ ج ۹۸، ص ۲۹۸؛ امینی، الغدیر، ج ۱، ص ۱۰، ۲۲ و ۲۶۸؛ عاملی، إثبات الهداة، ج ۲، ص ۱۳۶، ح ۵۹۳؛ بحرانی، عوالم العلوم، ج ۳/۱۵، ص ۵۰، ۶۰، ۷۵، ۷۹، ۸۰ و ۳۰۱؛ بحرانی، مدینة المعاجز، ص ۱۲۸؛ عاملی، الفصول المهمة، ص ۲۴-۲۵۔

۷. اونٹوں کے کجاووں سے منبر کی تعمیر:

سلمان، ابوذر، مقداد اور عمار جیسے جلیل القدر صحابہ نے پانچ قدیم درختوں کے سائے تلے کانٹوں کو صاف کیا، ناہموار پتھروں کو ہٹایا اور درختوں کی ان لٹکتی ہوئی شاخوں کو تراشا جو زمین کے قریب آ گئی تھیں۔ انھوں نے درختوں کے نیچے جھاڑو دی اور پانی کا چھڑکاؤ کیا۔ اس کے بعد دو درختوں کے درمیان شاخوں پر ایک کپڑا تان دیا گیا تاکہ دھوپ سے بچاؤ کے لیے سائبان بن سکے اور وہ جگہ اس تین روزہ تقریب کے لیے مکمل طور پر سازگار ہو جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے پیشِ نظر تھا۔ پھر اونٹوں کے کجاووں سے ایک بلند منبر تیار کیا گیا تاکہ پیغمبر اس کے اوپر سے انسانی سروں کے اس سمندر کا بخوبی مشاہدہ کر سکیں اور وحی کی صدا مجمعے کے آخری فرد تک پہنچ سکے۔ قریب ایک لاکھ بیس ہزار افراد کا ایک خطیب کے سامنے اس طرح جمع ہونا کہ سب اسے دیکھ سکیں، آج کی جدید دنیا میں بھی ایک غیر معمولی امر ہے۔[۱]

دوپہر کے وقت لوگوں کا انتظار ختم ہوا اور حضرت کے منادی نے نمازِ جماعت کی صدا بلند کی۔ جب لوگ خیموں سے نکل آئے اور نماز کے لیے صفیں درست ہو گئیں، تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ اپنے خیمے سے برآمد ہوئے اور نمازِ جماعت پڑھائی۔ اس کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ اس بلند منبر پر تشریف لے گئے اور امیر المومنین علیہ السلام کو طلب فرمایا تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ کے دائیں جانب، ایک زینہ نیچے کھڑے ہو جائیں۔

۸. معرفت کے گیارہ پہلوؤں پر مبنی خطبہ:

پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے تقریباً ایک گھنٹہ طویل خطبہ ارشاد فرمایا؛ جو گیارہ نکات پر مشتمل معرفت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔

پہلا؛ ثنائے الٰہی: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنی گفتگو کا آغاز ذاتِ باری تعالیٰ حق کی حمد و ثنا سے کیا، پھر قدرتِ قاہرہ اور رحمتِ واسعہ الٰہی کی گواہی دی اور بارگاہِ ربوبیت میں اپنی بندگی کا اقرار فرمایا۔

دوسرا؛ حکم کی تبلیغ: اس حصے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے کلام کو اصل مقصود کی طرف

۱۔ مجلسی، بحار الأنوار، ج۲۱، ص۳۸۷؛ ج۳۷، ص۲۰۹؛ بحرانی، عوالم العلوم، ج۳/۱۵، ص۴۴، ۹۷، ۳۰۱؛ عاملی، اثبات الهداة، ج۲، ص۲۶۷، ح۳۸۷، ۳۹۱؛ شوشتری، احقاق الحق، ج۲۱، ص۵۳، ۵۷۔

موڑتے ہوئے تصریح فرمائی کہ : "میں علی بن ابی طالبؑ کے بارے میں ایک نہایت اہم فرمان پہنچانے پر مامور ہوں؛ ایسا پیغام جس کا نہ پہنچانا رسالت کو ادھورا چھوڑنے کے مترادف اور عذابِ الٰہی کا موجب ہے"۔

تیسرا؛ نظامِ امامت کی رسمیت: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے قیامت تک کے لیے بارہ ائمہ معصومین علیہم السلام کی امامت کا اعلان فرمایا تاکہ طمع کرنے والوں کی امیدیں منقطع ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے ان کی ولایتِ مطلقہ، نفوذِ کلام اور تمام امور بشمول حلال و حرام میں ان کی الٰہی نیابت پر زور دیا۔

چوتھا؛ چاند کے ہاتھوں پر سورج کی بلندی: اس حصے میں پیمغبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنے وصی کے ہاتھوں کو اتنا بلند کیا کہ دونوں کے بغل کی سفیدی نمایاں ہو گئی اور منشورِ جاوداں کی یہ پکار بلند فرمائی "مَنۡ كُنۡتُ مَوۡلَاهُ فَهَٰذَا عَلِيٌّ مَوۡلَاهُ"۔ پھر ائمہ علیہم السلام کی ولایت کے ذریعے دین کے کامل اور نعمت کے تمام ہونے کا اعلان کر کے خدا، ملائکہ اور عوام کو اس ابلاغ پر گواہ بنایا۔

پانچواں؛ انتباہ اور فضیلت: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے دوٹوک الفاظ میں خبردار کیا کہ ولایت سے روگردانی اعمال کی بربادی اور جہنم کے طبقات میں گرنے کا سبب ہے، اور اس کے مقابلے میں امیر المومنینؑ کے فضائل کے بے کراں سمندر کا تذکرہ فرمایا۔

چھٹا؛ غضبِ الٰہی اور نفاق سے بیزاری: یہ حصہ معاندین پر غضبِ الٰہی کی تجلی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے آیاتِ عذاب تلاوت فرمائیں اور گمراہ کرنے والے رہبروں اور "اصحابِ صحیفہ ملعونہ" سے بیزاری کا اظہار کیا جو مقامِ امامت کو غصب کرنے کے درپے تھے، اور ان پر لعنت فرمائی۔

ساتواں؛ شیعہ، صراطِ مستقیم کے راہی: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے جنت والی آیات کو آلِ محمدؐ کے پیروکاروں کی شان میں اور قہر کی آیات کو ان کے دشمنوں کے وصف میں بیان فرمایا اور "شیعہ" کو صراطِ مستقیم کا واحد مسافر قرار دیا۔

آٹھواں؛ غدیر کا ظہور سے پیوند: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ کی نگاہیں افقِ مستقبل پر جم گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے منجیِ عالم، حضرت بقیۃ اللہ الاعظم عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کے بارے میں گفتگو فرمائی؛ ان کے اوصافِ جمال و جلال اور عدل و انصاف سے بھری عالمی حکومت کا وعدہ دیا۔

نواں؛ بیعتِ الٰہی کی دعوت: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے سب کو پہلے اپنی اور پھر علی بن ابی طالبؑ کی بیعت کی دعوت دی اور اس میثاق کی پشت پناہ اپنی اس بیعت کو قرار دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے پروردگار سے کی تھی۔

دسواں؛ احکام اور غدیریوں کا فریضہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے واضح فرمایا کہ امامت کی بیعت کے ساتھ حلال وحرام کی چابی بھی قیامت تک ائمہ علیہم السلام کے ہاتھ میں ہے۔ نیز پیغامِ غدیر کی تبلیغ اور اماموں کی اطاعت کی دعوت کو "اعلیٰ ترین امر بالمعروف" قرار دیا۔

گیارہواں؛ لسانی و قلبی عہد: آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: "خدا نے حکم دیا ہے کہ ہاتھوں سے بیعت لینے سے پہلے تمہاری زبانوں سے اقرار لوں"۔ اس اقرار کا خلاصہ بارہ ائمہ علیہم السلام کی اطاعت، عہد و پیمان پر استقامت اور پیغامِ غدیر کو آنے والی نسلوں اور غائب لوگوں تک پہنچانا تھا۔ پھر فرمایا: "کہو کہ ہم اپنے دل، جان، زبان اور ہاتھوں سے بیعت کرتے ہیں"۔ کلام کا اختتام وفاداروں کے لیے دعا، منکروں کے لیے بددعا اور حمدِ الٰہی پر ہوا۔[1]

اس موقعے پر حسان بن ثابت نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی اجازت سے ان پُر عظمت لمحات کو نظم کے قالب میں ڈھالا۔ اشعار کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: "اے حسان! جب تک تم اپنی زبان سے ہمارا دفاع کرتے رہو گے، روح القدس کی تائید تمھارے شاملِ حال رہے گی۔[2] خطبے کے بعد ایک اور واقعہ پیش آیا جس نے سب پر حجت تمام کر دی۔ جبرئیلؑ ایک خوبصورت مرد کی شکل میں لوگوں کے درمیان ظاہر ہوئے اور کہا: "خدا کی قسم! میں نے آج سا دن کبھی نہیں دیکھا۔ پیغمبرؐ نے اپنے چچازاد کے معاملے کی کتنی تاکید کی اور ایسا عہد لیا جسے سوائے کافر کے کوئی نہیں توڑ سکتا۔ وائے ہو اس پر جو اس عہد کو توڑے!"۔ یہاں بیعت توڑنے والے ایک مشہور شخص نے یہ باتیں سنیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ سے اس بات کی تصدیق لی کہ وہ خوبصورت مرد دراصل جبرئیلؑ ہی تھے۔[3]

۱۔ مجلسی، بحار الانوار: ج۳۷ص۲۰۱ تا ۲۰۷؛ عاملی، اثبات الهداة: ج۲ص۱۱۴۔

۲۔ کتاب سلیم بن قیس: ص۸۲۸؛ شافعی، کفایة الطالب: ص۶۴؛ بحار الانوار: ج۲۱ص۳۸۸۔

۳۔ مجلسی، بحار الانوار، ج۳۷، ص۱۲۰ و ۱۹۱؛ بحرانی، عوالم العلوم، ج۳/۱۵ص۸۵۔

۹. غدیرِ خم میں دو بے مثل عملی اقدامات:

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے شک و شبہ کے تمام راستے بند کرنے اور تاریخ کے آئینے سے ہر قسم کی دھند صاف کرنے کے لیے، غدیر کے بلند منبر پر دو ایسے حیرت انگیز اور عملی اقدامات فرمائے جن کی تاریخِ رسالت میں پہلے کوئی مثال نہیں ملتی

الف۔ ہاتھوں کی بلندی پر ولایت کے پرچم کا لہرانا:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے پہلے نہایت رسا آواز میں یہ اعلان فرمایا کہ "قرآن کے باطن اور اس کی تفسیر کی وضاحت صرف وہی ہستی کرے گی جس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے"۔ پھر امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہما السلام کو، جو ایک زینہ نیچے کھڑے تھے، اپنے قریب طلب فرمایا۔ اس کے بعد اپنے وصی کے دونوں بازوؤں کو تھاما اور انھیں آسمان کی طرف اتنا بلند کیا کہ امیر المومنینؑ کے قدمِ مبارک، نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے زانوؤں کے برابر آ گئے؛ یہاں تک کہ مجمع ے کی مبہوت آنکھوں کے سامنے دونوں ہستیوں کے بغل کی سفیدی نمایاں ہو گئی۔ اس پُر وقار حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے پیمانِ الٰہی کا ابلاغ فرمایا "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهَذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ"؛ یعنی جس کا میں مولا اور صاحبِ اختیار ہوں، اس کے بعد یہ علیؑ اس کے مولا اور صاحبِ اختیار ہیں۔

ب۔ دلوں اور زبانوں سے عمومی میثاق

چونکہ اس کثیر مجمعے اور وقت کی تنگی کے باعث اس لمحے فرداً فرداً بیعت لینا ممکن نہ تھا، اس لیے عہد شکنوں کے بہانوں کے تمام راستے بند کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے ایک جامع طریقہ اپنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے لوگوں کو چند مخصوص اور دقیق جملے تلقین فرمائے تاکہ سب مل کر یک زبان ہو کر علی علیہ السلام اور ان کی نسل سے آنے والے ائمہ علیہم السلام کی ولایت کا اقرار کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: "چونکہ سب کا مصافحہ کر کے بیعت کرنا ممکن نہیں، اس لیے اپنی زبان اور جان سے کہو کہ ہم اللہ کے حکم پر راضی ہیں اور اپنے دل، زبان اور ہاتھ سے اس بات پر عہد کرتے ہیں"۔ لوگوں کے ان جملوں کو اجتماعی طور پر دہرانے سے تمام حاضرین کے دل و جان سے ایک قانونی، شرعی اور ہمہ گیر بیعت لے لی گئی۔[1]

۱۔ کتاب سلیم بن قیس الهلالی، ص۸۸۸؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۳۷، ص۱۱۱، ۲۰۹، ۲۱۵ اور ۲۱۹؛ بحرانی، عوالم العلوم، ج۳/۱۵، ص۴۷۔

تیسرا منظر: بیعت کے استحکام کے لیے تین روزہ تقریب

۱۔ عمومی تبریک اور عہد و پیمان کے خیمے:

خطبے کے اختتام اور وحیِ الٰہی کی صدا گونجنے کے بعد، میثاق اور بیعت کی باعظمت تقریب کا آغاز ہوا۔ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارکانِ ولایت کی مضبوطی اور نظامِ خلافت کی استواری کی خاطر دو خیمے نصب کرنے کا حکم دیا؛ ایک خیمہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ کی اپنی ذاتِ مقدسہ کے لیے تاکہ وہ "مأمنِ وحی" (وحی کی پناہ گاہ) رہے، اور دوسرا خیمہ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہما السلام کے لیے تاکہ وہ "مطلعِ امامت" (امامت کے طلوع ہونے کا مقام) قرار پائے۔

رسولِ خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ نے مسرت سے لبریز دل اور شکر گزاری سے سرشار زبان کے ساتھ حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "مجھے مبارکباد دو اور تہنیتی پیغام دو؛ کیوں کہ حق تعالیٰ نے مجھے خلعتِ نبوت سے سرفراز کیا اور میرے اہلِ بیتؑ کو مقامِ امامت کے لیے منتخب فرمایا ہے"۔ اسی دوران، منادیِ رسالت مجمعے کے درمیان گشت کر رہا تھا اور کلامِ "مَن کُنتُ مَولاہُ فَہذا عَلِیٌّ مَولاہُ" کی تکرار کر رہا تھا تاکہ یہ حقیقتِ ناب انسانی روحوں کے صحیفے پر نقش ہو جائے۔

لوگ جوق در جوق اور دستہ بہ دستہ، بے مثال اشتیاق اور بے پناہ ازدحام کے ساتھ پہلے خیمۂ نبوت میں حاضر ہوتے اور عہد و پیمان کرتے، پھر خیمۂ ولایت کی طرف لپکتے اور آپؑ کو "امیر المومنین" کے جلیل القدر عنوان سے سلام کر کے بیعت کا ہاتھ دیتے تھے۔ یہ پُر وقار تقریب تین شبانہ روز تک جاری رہی جس میں پوری امت کی بھرپور شمولیت دیکھی گئی۔

اس دوران، دوسرا خلیفہ ان لوگوں میں شامل تھا جن لوگوں نے سب سے پہلے بیعت کی؛ اس

نے بیعت سے قبل اس حکم کا منبع دریافت کیا، اور جب جواب ملا کہ یہ امر "اللہ اور اس کے رسول" کی جانب سے ہے، تو اس نے بیعت کی اور مولاؑ کی بارگاہ میں عرض کیا: "بَخٍّ بَخٍّ لَكَ يَا اَبَا الْحَسَنِ، لَقَدْ اَصْبَحْتَ مَوْلَايَ وَمَوْلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ" (مبارک ہو آپ کو اے ابوالحسن! کہ اب آپ میرے اور ہر مومن مرد و عورت کے مولا بن گئے ہیں)۔
پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے واضح طور پر فرمایا: "مجھے مبارکباد دو کہ خدا نے مجھے نبوت اور میرے اہلِ بیتؑ کو امامت کے لیے چنا ہے"۔ لوگ گروہ در گروہ آتے، مبارکباد پیش کرتے اور لقبِ "امیر المومنین" کے ساتھ بیعت کرتے۔ عمر بن خطاب ان پہلے افراد میں شامل تھا جن لوگوں نے ان کلمات کے ساتھ بظاہر بیعت کا ہاتھ دیا۔[1]

۱۱. پانی کے برتن میں خواتین کی بیعت:

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے حکم پر خواتین بھی اس بیعت میں شریک ہوئیں۔ پانی کا ایک برتن لایا گیا اور اس کے درمیان پردہ لٹکا دیا گیا۔ خواتین پردے کی ایک جانب سے پانی میں ہاتھ رکھتی تھیں اور امیر المومنینؑ دوسری جانب سے، تاکہ یہ عہد حیا کے موازین کے ساتھ ابد تک کے لیے ثبت ہو جائے۔ حضرتِ زہرا سلام اللہ علیہا اور ازواجِ نبی اس بیعت میں ہراول دستے کی مانند تھیں۔[2]

۱۔ مجلسی، بحار الأنوار، ج۲۱، ص۳۸۷؛ ج۲۸، ص۹۰؛ ج۳۷، ص۱۶۶؛ بحرانی، عوالم العلوم، ج۳/۱۵، ص۴۲، ۶۰، ۶۵، ۱۳۴، ۱۳۹، ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۰۳ و ۲۰۵؛ امینی، الغدیر، ج۱، ص۵۸، ۲۷۱ و ۲۷۴۔

۲۔ ایضاً، ج۲۱، ص۳۸۸؛ بحرانی، عوالم العلوم، ج۳/۱۵، ص۳۰۹۔

۲۱. امیرؑ کی تاج پوشی: عمامۂ سحاب:

ایک اعلیٰ سنت کے طور پر، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنا عمامۂ مبارک جس کا نام "سحاب" تھا، امیر المومنینؑ کے سر اقدس پر سجایا اور اس کا ایک شملہ آپؑ کے کندھے پر لٹکا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: "اللہ نے بدر و حنین میں ان فرشتوں کے ذریعے میری مدد فرمائی جنھوں نے ایسا ہی عمامہ سر پر باندھ رکھا تھا"۔[1]

۳۱. منکرِ ولایت کا انجام:

غدیر کا اختتام ایک معجزے پر ہوا تاکہ کسی شک کرنے والے کے لیے عذر باقی نہ رہے۔ "حارث فہری" نے آکر کہا: "آپ نے علیؑ کے بارے میں جو کچھ کہا، کیا وہ اللہ کی طرف سے تھا یا آپ کی اپنی طرف سے؟"۔ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس کے وحیانی ہونے کی تصدیق کی، تو اس نے کہا: "اگر یہ ولایت خدا کی طرف سے ہے، تو مجھ پر آسمان سے پتھر برسا!"۔ ابھی اس نے قدم بھی نہ اٹھایا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر گرا جس نے اسے واصلِ جہنم کر دیا اور آیت نازل ہوئی: "سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ"[2] (مانگنے والے نے وہ عذاب مانگا جو واقع ہونے والا ہے)۔[3]

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ نے ان تین دنوں میں بارہا اپنی وفات کے قریب ہونے کی خبر دی اور ایک شفیق باپ کی طرح امت کو "ثقلین" (کتاب اور عترت) سے تمسک کی وصیت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: "میں حوضِ کوثر پر تمہارا منتظر ہوں اور تم سے ثقلین کے بارے میں سوال کروں گا!"۔[4]

۱۔ بحرانی، عوالم العلوم، ج۳/۱۵، ص۱۹۹؛ عاملی، اثبات الهداة، ج۲ ص۲۱۹ ج۱۰۲؛ امینی، الغدیر، ج۱، ص۲۹۱ (روایات میں اس سے ملتے جلتے دیگر نام بھی ملتے ہیں، جس سے یہ احتمال قوی ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض نام ان بارہ افراد سے متعلق ہوں جو اس (حارث فهری) کے همراہ تھے)۔

۲۔ سورہ معارج، آیہ۲۱

۳۔ بحار الأنوار، ج۳۷، ص۱۳۶؛ الغدیر، ج۱، ص۱۹۳۔

۴۔ بحرانی، عوالم العلوم، ج۳/۱۵، ص۴۳، ۴۴، ۴۶، ۴۹، ۵۴، ۷۵، ۹۷، ۱۹۶-۱۹۹، ۲۳۹، ۲۶۱۔

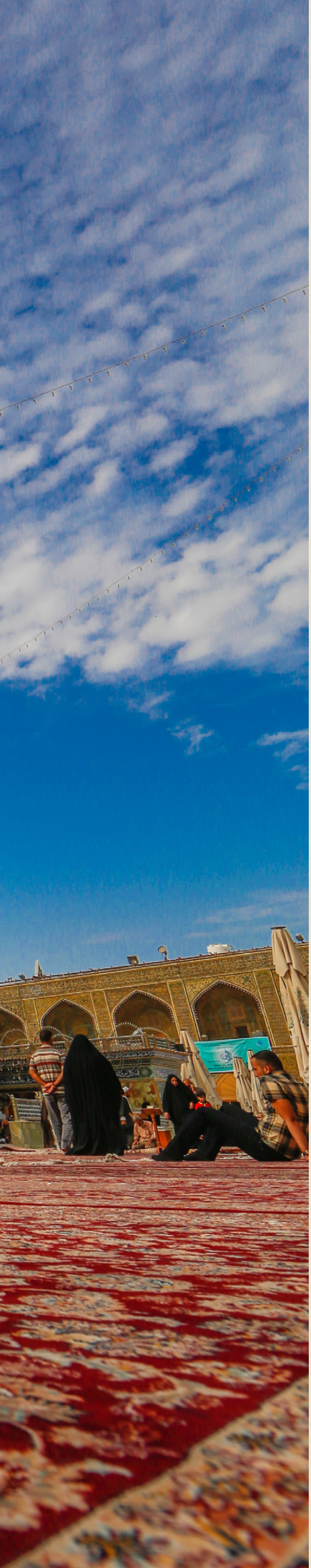

غدیر کے بعد کوئی بہانہ نہیں چلے گا

تین روزہ "ایامِ ولایت" کی رونقیں **"اللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالاهُ"** (خدایا! اسے دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے) کی گونج کے ساتھ اختتام پذیر ہوئیں اور قافلے اپنے دیار کی طرف واپس لوٹ گئے، جب کہ حقیقت کا سورج ان کے سینوں میں ضیا بار تھا۔ غدیر نے جیسا کہ خود امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا، کسی کے لیے بھی کوئی عذر اور کوئی گنجائش باقی نہیں رہنے دی۔

پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے ان تین دنوں میں بارہا اپنی رحلت اور "ثقلین" (کتاب و عترت) کی غربت و تنہائی کا تذکرہ فرمایا اور امت سے اس عظیم امانت کی پاسداری کا مطالبہ کیا۔ قافلے چلے گئے، مگر غدیر اس تپتے بیابان میں مقید نہ رہا؛ بلکہ غدیر ہمارے عظیم القدر پیغمبرؐ اور ان کے اہل بیتؑ کی عظیم مجاہدتوں کی برکت سے پوری تاریخ کی وسعتوں میں پھیل گیا۔ جیسا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: "غدیر نے کسی ایک شخص کے لیے بھی کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا"۔[1]

یہ واقعہ دشمنوں کی طمع کے سامنے ایک مضبوط بند ثابت ہوا اور اسی نے دین کے کمال کا نقشہ کھینچا۔ غدیر کا ہر ہر لمحہ اس حقیقت کی تجلی تھا کہ "اگر تمام لوگ علی بن ابی طالبؑ کی ولایت پر متفق ہو جاتے، تو اللہ تعالیٰ کبھی جہنم کی آگ پیدا ہی نہ فرماتا"۔[2]

آج ہم بھی اس زبانی اور قلبی بیعت کے وارث ہیں، تاکہ اس تابندہ چشمے کا پیغام آنے والی نسلوں تک پہنچا سکیں۔

عاملی، اثبات الهداة، ج۳ص۱۲۰

۱۔ عاملی، اثبات الهداة، ج۳ص۱۲۰

۲۔ مجلسی، بحار الأنوار، ج۳۹، ص۲۴۷۔

حدیثِ غدیر کلامِ انیسؔ کی روشنی میں

سید ارتضیٰ عباس نقوی
(کراچی۔ پاکستان)

واقعہ غدیر نے جہاں اسلامی سماج پر غیر معمولی اثرات مرتب کیے وہیں شعراء کی رگِ فصاحت بھی پھڑک اٹھی۔ ظاہر ہے شاعری اظہارِ جذبات کا بہترین اور مؤثر طریقہ ہے اس لیے شعراءِ عرب جو مدح امیر المومنینؑ پر فخر کرتے تھے پیچھے نہیں ہٹے اور مدح کے دریا بہائے اور اس مدحت کو وہ بحرِ فضائل کا ایک قطرہ سمجھتے تھے۔ میر انیسؔ نے شعراءِ عرب کا تذکرہ کرتے ہوئے اسی جانب اشارہ کیا ہے:

کیونکر بیاں ہو شوکت و شانِ پیمبری
عاجز ہیں یاں فرزدقؔ و حسّانؔ و حمیریؔ

دوڑے کمیتِؔ خامہ تو کھائے سکندری
طاقت یہ کس میں ہے کہ لکھے زورِ حیدری

قرآں میں جن کا وصف مکرر خدا کرے
کس کی زباں سے پھر بشر اُن کی ثنا کرے

پیدا ہوئی جو چشم تو نورِ خدا کہا
عقدہ کھلا تو خلق کا مشکل کشا کہا

مطلب ہوا حصول تو حاجت روا کہا
پایا دُرِ مراد تو بحرِ سخا کہا

ہم خوش ہوئے کہ مدح کے دریا بہادیے
کیا بڑھ گیا جو بحر میں قطرے ملادیے

میں کیا ہوں، مری طبع ہے کیا، اے شہِ ذی شاں
حسّانؔ و فرزدقؔ ہیں یہاں عاجز و حیراں

شرمندہ زمانے سے گئے وائلؔ و سحبانؔ
قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں

کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی
لکنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی

فرزدقؔ، حسّانؔ، حمیریؔ، کمیتؔ، وائلؔ، سحبانؔ یہ عرب کے مشہور شعراء ہیں امیر المومنینؑ کی تعریف میں آج بھی ان کے لا تعداد شعر یادگار ہیں۔ ان اشعار میں حدیثِ غدیر فضیلت کا ایک نمایاں پہلو ہے اس کے تفصیلی مطالعے کے لیے علامہ امینی کی "الغدیر" دیکھی جا سکتی ہے۔ میر انیسؔ نے بھی اپنے کلام میں غدیر کو خصوصی اہمیت دی ہے اور کیونکہ یہ شیعوں کے بنیادی عقائد میں سے ہے اس لیے انیسؔ اسے کیسے فراموش کر سکتے تھے۔

ابن مغازی نے اپنی کتاب میں عطیہ عوفی سے روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عطیہ نے کہا: میں نے ابن ابی اوفی کو اس کے گھر کے پاس دیکھا جب وہ نابینا ہو چکا تھا۔ میں نے اس سے حدیث غدیر کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: اے کوفہ کے رہنے والو! کس قدر تم بد بخت ہو۔ وائے تمہاری اس حالت پر۔ میں نے کہا: خدا تمہارے کام کو آسان اور اصلاح کرے، میں کوفہ سے نہیں ہوں

اور تجھے اس بات کا علم نہیں ہے کہ میں کوفہ کا رہنے والا نہیں ہوں۔
اس نے پوچھا: تمہاری مراد کون سی حدیث ہے؟ میں نے کہا حدیث غدیر کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں، جسے رسول خدا نے روزِ غدیر علی ابن ابی طالبؑ کے بارے میں فرمایا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے میدانِ غدیر کے دن علی ابن ابی طالبؑ کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں سے اس طرح مخاطب ہوئے:
اے لوگو! کیا تم نہیں جانتے کہ میں مومنین سے زیادہ ان کے جسموں پر تصرف کا حق رکھتا ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں اے رسول خدا۔ اس کے بعد رسول خدا نے فرمایا: جس جس کا میں مولا ہوں، اس کا علی بن ابی طالبؑ بھی مولا ہے۔
(بحار الانوار، ج ۳۷، ص ۱۸۵)
علامہ مجلسی لکھتے ہیں: حافظ ابو نعیم نے اپنی کتاب **(مانزل من القرآن فی علی)** اعمش، عطیہ عوفی سے نقل کرتا ہے کہ عطیہ اس آیہ شریفہ **(یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك)** کے شان نزول کے بارے میں کہتا ہے کہ:
(نزلت ہذہ الآیہ علی رسول اللہ فی علی بن ابی طالب) یہ علی ابن ابی طالبؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔
(بحار الانوار، ج ۳۷، ص ۱۹۰)
اس مکمل واقعے کو ایک بند میں اس مہارت سے نظم کرنا انیسؔ کا کمال فن ہے۔ کہتے ہیں:

جس دم حجِ آخر سے فراغ آپ نے پایا — تب اپنا وصی حیدر و صفدر کو بنایا
کی عرض کہ میں تابعِ فرماں ہوں خدایا — پھر آیہ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ آیا

ہر دم تھا یہی قول رسولِ دو جہاں کا
در پیش ہے اب جلد سفر باغِ جناں کا

نامِ علیؑ میں ولایت کا اشارہ

میر انیسؔ نے نامِ علیؑ کے حروف (ع۔ل۔م) کی جو توضیحات لکھی ہیں ان میں 'ل' کو ولایت کا اشارہ کہا ہے یعنی ولایت علیؑ کا دل ہے علیؑ کی حیات کا مرکز ہے، وجودِ علیؑ کا قلب ہے۔ کہتے ہیں:

ہے عین علی علمِ الہیٰ کا اشارہ — اس عین سے منظور تھا عالم کا نظارہ
اور بیچ میں ہے لامِ ولایت علم آرا — جس لام سے اللہ نے نام اپنا سنوارا
یہ حرف تو ہمنامِ جنابِ احدی ہیں
یے سے ہے یہ ثابت کہ یداللہ یہی ہیں

ولایت کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں:

ولایت علیؑ کے بغیر کوئی عمل قبول نہ ہونے کا تصور اسلامی تعلیمات، بالخصوص شیعہ عقائد میں مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ عقیدہ اس حدیث قدسی پر مبنی ہے:

"میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو قبول نہیں کروں گا جب تک وہ احمدؐ (مجتبیٰ) کی رسالت کے ساتھ علی مرتضیٰؑ کی ولایت کا اقرار نہ کرے۔"

اس حدیث کے مطابق، ولایت اللہ کا قرب خاص ہے اور اعمال کی قبولیت کے لیے بنیاد ہے۔ میر انیسؔ نے اس بند میں اسی جانب اشارہ کیا ہے وہ اپنی شاعری کے ذریعے ایک غدیری معاشرے کی ذہن سازی اور عقیدہ پروری کرتے نظر آتے ہیں۔

آٹھوں بہشت باغِ ولایت کے پھول ہیں
ہم سے ولا کرو کہ ہم آلِ رسولؐ ہیں
اعمال دشمنانِ علیؑ نا قبول ہیں
روزے ہوں یا نمازیں ہوں سب بے اصول ہیں

پھر کیا ہوا زکوٰۃ بھی گر حج سمیت کی
شرطِ قبولیت ہے ولا اہل بیتؑ کی

غدیر کا ذکر:

مجھے بہت تلاش کے بعد کلامِ انیسؔ میں پانچ جگہ لفظ 'غدیر' ملا۔ انیسؔ کے ایک سلام کا شعر ہے:

> شہرہ ہے شش جہت میں حدیثِ غدیر کا
> بیعت کو ہاتھ اٹھا تھا صغیر و کبیر کا

اس شعر کی تشریح میں مولانا ڈاکٹر رضوان حیدر لکھتے ہیں:

انیسؔ نے مذکورہ مصرعوں میں حدیثِ غدیر کو 'شہرۂ شش جہت' اور 'بیعتِ صغیر و کبیر' کے ساتھ مربوط کر کے پیش کیا ہے۔ یعنی شہرت کے لیے جتنے وسائل سوچے جا سکتے ہیں وہ سب اعلانِ غدیر میں موجود تھے۔ دن کی روشنی، مجمع کی کثرت، رسولؐ کا اعلانی اہتمام، نفسیاتِ انسانی پر حکمت، اعلان کی گرفتِ امت سب ہی یکجا ہو جاتا۔ لہٰذا فطرتاً اس حدیث کو زبان زدِ خلائق بھی ہونا چاہیے تھا اور امت کو اس پر عمل پیرا بھی ہونا چاہیے تھا۔ اب اگر اس حدیث کی شہرت کو دبا بھی دیا جائے تو بھی امت کے لاشعور سے یہ حدیث مٹائی نہیں جا سکتی اور علیؑ کی ولایت کو ضمیر سے کھرچا نہیں جا سکتا۔ چونکہ میدانِ غدیر دراصل اعلانِ ولایت و امامت کے لیے منتخب کیا گیا تھا اور امام چونکہ کسی ایک جہت سے متعلق نہیں بلکہ ساری کائنات کا امام ہوتا ہے اور ساری کائنات شش جہت میں محیط ہے لہٰذا انیسؔ نے اس مصرعہ:

> شہرہ ہے شش جہت میں حدیثِ غدیر کا

میں شش جہت کی ترکیب لفظی میں اس حقیقت کو بھی ملحوظ رکھا ہے"۔

(رموزِ کلامِ انیسؔ، صفحہ ۴۸۱)

”خم“ غدیر کے مقام پر ایک چشمے کا نام تھا اور فارسی میں ”خم“ مے خانے کو کہتے ہیں اس لیے فارسی اور اردو شعرا نے اس رعایت سے خوب فائدہ اٹھایا ہے خاص طور پر ساقی نامے میں۔ انیسؔ کے دور میں ساقی نامہ مرثیے کا باقاعدہ رکن نہیں تھا لیکن قصیدہ میں کہا جاتا تھا اس لیے مرثیے پر بھی اس کے اثرات آئے اور انیسؔ بھی غدیری مے خانے میں چلتے پھرتے نظر آئے اور آج بھی اپنے کلام سے غدیری شراب بانٹ رہے ہیں:

چھلکتے جام رہیں میکدہ رہے آباد — خمِ غدیر کی دے ساقیا شراب مجھے

کیا پوچھتے ہو مذہب و مشرب فقیر کا — شیشہ بغل میں ہے مےِ خمِ غدیر کا

کیفیتیں اٹھائے نہ کیوں دل فقیر کا — نشہ چڑھا ہوا ہے شرابِ غدیر کا

واقف خمارِ غم سے نہیں دل فقیر کا — پیمانہ کش ہوں بادۂ خمِ غدیر کا

اصحاب امام حسینؑ غدیری تھے

امام حسینؑ کے لشکر میں ایسے افراد بھی تھے جنہیں رسولؐ کی صحابیت کا شرف حاصل تھا اور وہ غدیر کے میدان میں بھی بنفسِ نفیس موجود تھے۔ جو نہیں تھے وہ بادۂ غدیر سے مست نظر آتے تھے یعنی ولایت پر یقینِ محکم رکھتے تھے۔ میر انیسؔ کہتے ہیں:

اللہ رے شان و شوکتِ زُہّادِ حق پرست
رتبے سے اُن کے اوجِ سپہرِ بریں ہے پست

ایک ایک وہ دلیر جو لاکھوں کو دے شکست
ہُشیار رن سے اور مئے حُبِّ علیؑ سے مست

تھا لب پہ وصف شاہِ رُسلؐ کے وزیر کا
دل میں تھا جوش بادۂ خُمِّ غدیر کا

فرعِ ولایت:

روایاتِ اسلامی میں شجرہ طیبہ اور شجرہ خبیثہ کو دو درختوں سے تشبیہ دی گئی ہے یہ ایک وسیع مفہوم رکھتے ہیں بعض روایات میں اس کی خاص حوالوں سے تفسیر کی گئی ہے۔ ایک روایت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے آپؑ "اصلھاثابت وفرعھافی السماء" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رَسُولُ اللهِ أَصْلُهَا وَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ فَرْعُهَا، وَ الْأَئِمَّةُ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا أَغْصَانُهَا، وَ عِلْمُ الْأَئِمَّةِ ثَمَرُهَا، وَ شِيعَتُهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَرَقُهَا، هَلْ فِيهَا فَضْلٌ؟ قَالَ: قُلْتُ لَا وَ اللهِ، قَالَ: وَ اللهِ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُولَدُ فَتَوْرِقُ وَرَقَةٌ فِيهَا وَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيَمُوتُ فَتَسْقُطُ وَرَقَةٌ مِنْهَا.

رسول اللہؐ اس درخت کی جڑ ہیں۔ امیر المومنین علیؑ اس کا تنا ہیں اور وہ امام جو ان دونوں کی ذریت میں سے ہیں اس کی ٹہنیاں ہیں اور آئمہؑ کا علم اس درخت کا پھل ہے اور ان کے صاحبِ ایمان شیعہ اس کے پتے ہیں۔

پھر امامؑ نے فرمایا کیا کوئی اور چیز باقی رہ جاتی ہے؟ راوی کہتا ہے: میں نے کہا نہیں، خدا کی قسم۔ فرمایا: واللہ جس وقت ایک صاحبِ ایمان پیدا ہوتا ہے تو اس درخت پر ایک پتے کا اضافہ ہو جاتا ہے اور جس وقت کوئی حقیقی مومن مر جاتا ہے تو اس درخت کا ایک پتہ گر جاتا ہے۔

(نور الثقلین، جلد ۲ ص ۵۳۵۔ ص ۵۳۸)

اس حدیث کو انیسؔ کی زبانی سنیے:

وہ نخل کہ جس نخل کی ہے اصل نبوت   وہ نخل کہ جس نخل کی ہے فرع ولایت
وہ نخل کہ جس نخل کی شاخیں ہیں امامت   وہ نخل کہ جس نخل کے سائے میں ہے جنت

میوہ بھی اُسی کا ہوں، اُسی کا گلِ تر ہوں
شیعہ مرے برگ اس کے ہیں، میں اس کا ثمر ہوں

حضرت علیؑ کا لقب "ولی":

"ولی" کا لفظ سلسلۂ ہدایت میں بمعنی اولیٰ بالتصرف صرف اللہ، رسولؐ اور امیر المومنینؑ کے لیے آیا ہے۔ یہ لفظ شیعوں سے لے کر اہل تصوف تک سب ہی نے حضرت علیؑ کے لیے سب سے زیادہ استعمال کیا ہے۔ میر انیسؔ بار بار مختلف مقامات پر اس لقب کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں اور کئی تراکیب بنا کر مصرعوں میں نور بھرتے ہیں۔ چند شعر دیکھیے:

بیٹوں سے مرگِ فاطمہؑ کی سنتے ہی خبر   غش ہو گئے علیِؑ ولی، شاہِ بحر و بر

جبریلؑ نے کہا یہ ہے زہراؑئے خوش خصال   زوج اس کا ہے علیِؑ ولی شاہِ باکمال

فوجوں میں یہی طور تھے خالق کے ولی کے   لو ناز ہے اس پر کہ نواسے ہیں علیؑ کے
شیر آتے ہیں لشکر سے ولی ابنِ ولی کے   حضرت نے صدا دی کہ نواسے ہیں علیؑ کے

بیٹی ہو کس سخی کی بہو کس ولی کی ہو   کیوں کر نہ صابرہ ہو کہ پوتی علیؑ کی ہو

مشہور ہے سخاوتِ محبوبِ ذوالجلال   جواد ہے، علیِؑ ولی، شاہِ خوشخصال

حدودِ ولایت:

جس طرح رسولؐ کی رسالت عالمین پر محیط ہے اسی طرح امام کی ولایت وامامت بھی عالمین کو احاطے میں لیے ہوئے ہے سورۂ یسین کی آیت "وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ" کے مطابق سب کو امامِ مبین میں گن گن کر جمع کر دیا گیا ہے۔ اسی لیے امام کے پاس ولایتِ تکوینی بھی موجود ہے یعنی کہ اس دنیا کے موجودات اور اس عالم کی سرپرستی کرنا اور ان میں تصرف کرنا جو اصل میں بالذات اللہ تعالیٰ کے لیے مختص ہے لیکن ثانیاً اور بالعرض پیغمبروں اور ائمہ معصومین اور انسانِ کامل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ میر انیسؔ فرماتے ہیں:

افضل کوئی مرتضیٰؑ سے ہمت میں نہیں　اس طرح کا بندہ تو حقیقت میں نہیں
طوبیٰ، تسنیم و خلد و سیب و رمان　وہ کیا ہے جو حیدرؑ کی ولایت میں نہیں

شاہِ ولایت:

حضرت علیؑ کا مشہور لقب "شاہِ ولایت" بھی ہے۔ یہ ترکیب بھی انیسؔ کے یہاں کثرت سے استعمال ہوئی ہے۔ چند شعر دیکھیے:

اللہ کے گھر میں ہوئی ہے جس کی ولادت　وہ حیدرِ صفدر ہے، وہ ہے شاہِ ولایت

سلمان سے یہ فرماتے تھے سلطانِ رسالت　کیا تجھ سے کہوں مرتبۂ شاہِ ولایت

تھے تارکِ لذات جہاں شاہِ ولایت　جز نانِ جویں تھی نہ کسی کھانے سے رغبت

شہنشاہِ ولایت:

"شاہِ ولایت" کی طرح "شہنشاہِ ولایت" بھی حضرت علیؑ کا لقب ہے انیسؔ کے یہاں اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

سید بنِ طاؤس سے ہے ایک روایت
دو دن سے گرسنہ تھے شہنشاہِ ولایت

لے جائیں گے کوثر پہ شہنشاہِ ولایت
اور وقتِ صراط آئیں گی خاتونِ قیامت

دنیا میں پس از رحلتِ خاتونِ قیامت
اک دن نہ رہے شاد شہنشاہِ ولایت

ہے یاں سے قریں قبرِ شہنشاہِ ولایت
جا بیٹھ نجف میں کہ ملے گی تجھے راحت

ہے سورۂ نور ابنِ شہنشاہِ ولایت
سمجھو اسے مصباح شبستانِ ہدایت

زورِ ولایت:

مشہور ہے کہ ایک روایت کے مطابق، حضرت علیؑ نے خود فرمایا کہ انہوں نے قلعۂ خیبر کا دروازہ اپنی جسمانی طاقت سے نہیں، بلکہ قوتِ الٰہیہ (اللہ کی عطا کردہ طاقت) سے اکھاڑا تھا۔ میر انیسؔ اسے "زورِ ولایت" سے تعبیر کرتے ہیں اس سلسلے میں بہت عمدہ اور معنی خیز مصرعے کہے ہیں:

شیرِ خدا نے زورِ ولایت دکھا دیا
خندق پہ پُل نہ تھا تو اسے پُل بنا دیا

فولاد ہوا موم ، زہے زورِ ولایت
کس میں تھی سوا بازوئے احمدؐ کے یہ طاقت

کیا ہے کہ عیاں زورِ ولایت نہیں کرتے
صدقے گئی پوتے کی حمایت نہیں کرتے

سب زورِ نبوت بھی ولایت بھی ہے اس میں
اور فاطمہؑ کے دودھ کی طاقت بھی ہے اس میں

نخلِ ولایت:

میر انیسؔ نے ایمان کو ”نخلِ ولایت کا ثمر“ کہا ہے اور وہ اسے حضرت حُرؑ کے لیے بیان کرتے ہیں۔ عام تاثر یہ ہے کہ حضرت حُرؑ لشکرِ یزید میں تھے اور امام حسینؑ کے دشمن تھے جب کہ ایسا نہیں ہے۔ ابصار العین فی انصار الحسینؑ کی روایت کے مطابق حُرؑ ازل ہی سے عاشقِ اہلِ بیتؑ تھے وہ صرف وقت اور یزید کے فیصلے کے منتظر تھے ان کا امام حسینؑ کی خدمت میں آ جانا اُن کی طہارتِ طینت اور ولایت پر ایمان کے سبب تھا اسی لیے انیسؔ کہتے ہیں:

ایمان فقط نخلِ ولایت کا ثمر ہے   سرسبزیِ حُر باغِ ریاضت کا ثمر ہے

اور پھر:

صدقے ہو جائے اسے عشقِ ”ولی“ کہتے ہیں   اس کو دنیا میں سعیدِ ازلی کہتے ہیں

شیرِ نیستانِ ولایت:

نیستان شیر کے آرام کرنے کا مقام ہے۔ شیر اپنے نیستان سے پہچانا جاتا ہے۔ حضرت عباسؑ کو میر انیسؔ ”شیرِ نیستانِ ولایت“ کہتے ہیں کیسے ممکن ہے کہ نیستانِ ولایت کا شیر ہو اور اس میں خوشبوئے ولایت نہ ہو۔ یہ شعر دیکھیے:

یہ شیر نیستانِ ولایت کے ببر ہیں   بیشے میں شیرِ حق کے ہیں یہ وہ ہزبر ہیں

نورِ ولایت:

میر انیسؔ نے حضرت علیؑ کے چہرے کے نور کو "نورِ ولایت" کہا ہے۔

ہے شانِ علیؑ سے حق کی شوکت پیدا
ہے ان سے ہر اک نبی کی خصلت پیدا

آئینے میں جیسے مہر دکھلائی دے
چہرے سے ہے یوں نورِ ولایت پیدا

ان تمام مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ میر انیسؔ نے حدیثِ غدیر سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مرثیوں میں ولایت کی ایک کہکشاں سجائی ہے۔ وہ اس واقعے سے اس درجہ متاثر ہیں کہ اسے اپنا دین وایمان سمجھتے ہیں اور اپنی شاعری میں اسے واجب کی حد تک ضروری سمجھتے ہیں۔

تاریخِ حرم مقدس

امیرالمؤمنین علیه السلام

مرقدِ مطہر امیر المؤمنین علیہ السلام

حرمِ مطہرِ امیر المؤمنین علیہ السلام تاریخ کے ان قدیم و جاوداں مقامات میں سے ہے، جنھیں اہلِ محبت نے ہر دور میں اپنے خلوص وارادت سے سنوارا، سجایا اور نکھارا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کا روضہ زمین پر جنت کا ایک ٹکڑا ہے، تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ یہ نقطۂ نورانی ایک دراز سلسلۂ تاریخ رکھتا ہے، اور یہ گزارش اس تاریخ کے چند اہم گوشوں پر روشنی ڈالتی ہے۔ جس کا پہلا حصہ ضریحِ مقدس اور اس کی عمارت سے متعلق ہے۔

ضریح و مرقدِ مطہر امیر المؤمنین

ضریحِ مطہر کے حجرے میں کیا شامل ہے؟ ضریح کی جالی کی خصوصیات کیا ہیں؟ اور ”صندوقِ خاتم“ سے کیا مراد ہے؟

ضریحِ مقدس تقریباً صحن کے وسط میں واقع ہے۔ اس کے اطراف قائم حرم کا کمرہ مربع شکل کا ہے، جس کا رقبہ تقریباً ۱۷۷ مربع میٹر ہے، اور دیواروں کی بلندی قریب ۲۲ میٹر تک پہنچتی ہے۔ اس کے اوپر قائم شاندار قبّہ چار مضبوط ستونوں پر استوار ہے۔ ان ستونوں کے درمیان چار بلند اور وسیع ایوان ہیں جو چاروں سمت سے ضریحِ مقدس کو گھیرے ہوئے ہیں۔ البتہ آج ان میں سے تین ایوان نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

قبّہ کی اندرونی سطح نہایت نفیس ٹائلز سے آراستہ ہے اور اس کے گرداگرد دو سورتیں ـــــ سورۂ فجر اور سورۂ عمَّ یتساء لون ـــــ تحریر ہیں۔ ان کے ساتھ ”ابن ابی الحدید معتزلی“ کے مشہور قصیدۂ عینیہ کے چند اشعار بھی خوش خطی سے کندہ ہیں۔

حرمِ مطہر امیر المؤمنین علیہ السلام اپنے نقوش، منبت کاری، رنگوں کا تال میل اور نقش و نگار کی باریکیوں کے سبب اسلامی فنِ تعمیر کا بے مثال شاہکار ہے۔ دیواریں نہایت لطیف آئینہ کاری سے مزین ہیں، جن میں چھوٹے چھوٹے زاویے اور دلکش اشکال ایک روحانی فضا پیدا کرتے ہیں۔

ایوانوں کی ساخت میں میناکاری اور معرق کاری کے حسین نمونے شامل ہیں جن پر منتخب قرآنی سورتیں تحریر ہیں۔ ان کے ساتھ موصلی شاعر "عبدالباقی عمری" "اور نجف کے ادیب ”سید رضا ہندی“ کے اشعار بھی فنکارانہ انداز میں رقم ہیں۔

حرم کا فرش اعلا درجے کے سنگِ مرمر سے ڈھکا ہوا ہے، اور اسی مرمر کا استعمال دیواروں پر بھی دو میٹر کی بلندی تک کیا گیا ہے۔ حرم مقدس امیر المؤمنین کی انتظامیہ نے ایک ہمہ جہتی مرمتی اور حفاظتی منصوبے کے تحت آئینہ کاری، میناکاری اور کاشی کاری کے متعدد حصے از سرِ نو درست کیے۔ اسی پروگرام کے تحت معاونتِ فنی وانجینیئرنگ کی نگرانی میں حرم کے لیے نئے فانوس بھی نصب کیے گئے۔ دیواروں اور فرش کے مرمر کو جدید سبز رنگی مرمر سے تبدیل کیا گیا، پرانی آئینہ کاری کو ہٹا کر دیواروں کی مرمت کی گئی، اور اسی طرز کے نئے آئینے نصب کیے گئے تاکہ تاریخی فن اور جمالیات کا ربط برقرار رہے۔

آج حرمِ مطہر کے صحن میں آٹھ سنہرے دروازے قائم ہیں، جو چاروں اہم سمتوں سے مرقدِ مطہر کی طرف کھلتے ہیں۔ یہ دروازے سابقہ چاندی کے دروازوں کا عمدہ متبادل ہیں۔ ان کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ فنِ زرگری کے بے مثل نمونے ہیں، جن پر گل و بوٹے کے دلکش نقوش کے ساتھ قرآنی آیات، احادیث اور منتخب قصائد کندہ ہیں۔

اتاقِ مطہر ایک فنی و روحانی نگینہ

حرم مقدس امیر المؤمنین کے بورڈ کے رکن اور آثارِ قدیمہ کے ماہر ڈاکٹر عبد الہادی ابراہیمی اس مقدس کمرے کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: حرم مقدس امیر المؤمنین میں مختلف ادوار کی اسلامی فنِ تعمیر اس طرح یکجا ہو گئی ہے کہ اس کا مجموعہ ایک نہایت عظیم، ہم آہنگ اور دل آویز عمارت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی انجینیئرنگ، اس کے رنگ و نقش، اس کے خطوط اور تحریریں، سب اس انداز کے ہیں کہ نگاہ جہاں بھی پڑے، ایک نئی دلکشی سامنے آتی ہے۔

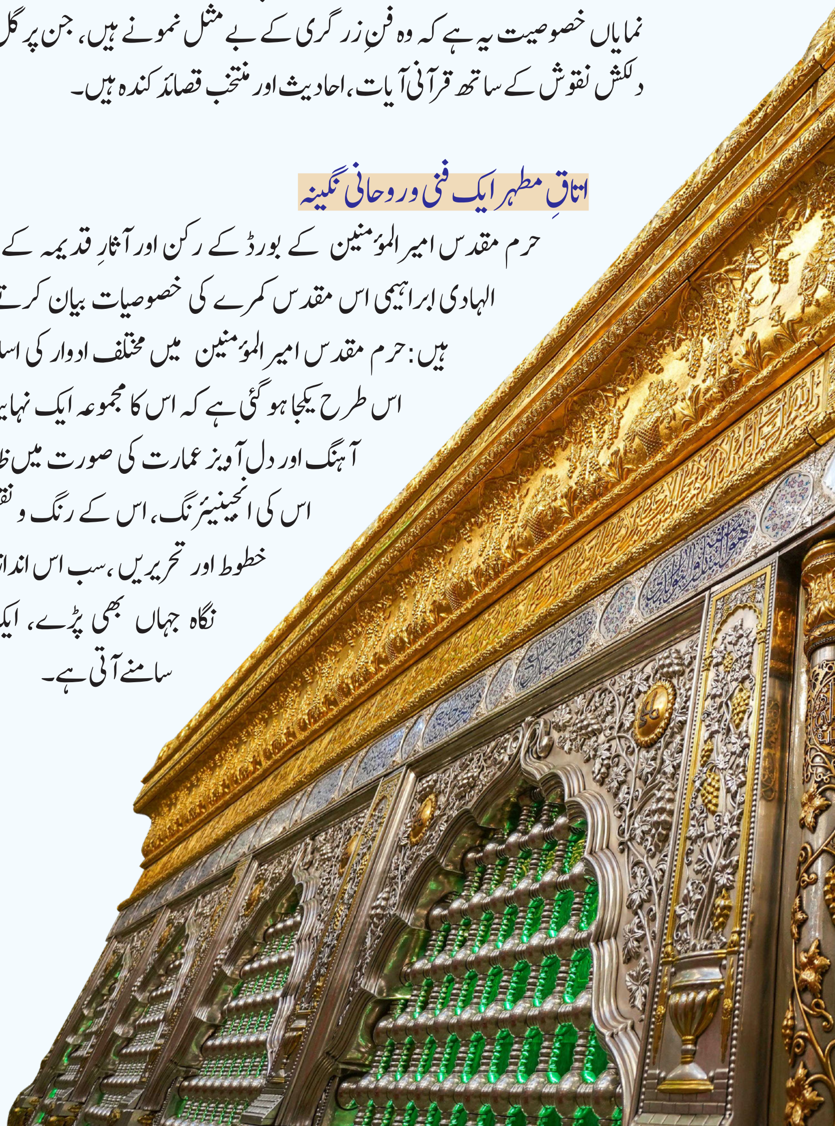

قبّۂ مزارِ مطہر امیر المؤمنین علیہ السلام

مزارِ مطہر امیر المؤمنین علیہ السلام کا قبّہ نہ صرف فنِ تعمیر کا شاہکار ہے بلکہ ایک معنوی اور رمزی علامت بھی ہے۔ اس قبّے میں بارہ کھڑکیاں ہیں، اور ان بارہ کھڑکیوں کی تعداد بارہ ائمۂ معصومین علیہم السلام کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ قبّے کی اندرونی سطح نہایت دلکش ٹائلز سے آراستہ ہے جن کا زمانہ نادر شاہ افشار تک پہنچتا ہے۔ اس پر کی گئی معرّق میناکاری اور اس کے نقش ونگار، دوسرے مقدس حرموں میں حسن وتاریخ کے اعتبار سے نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

قبّے اور دیواروں پر جگہ جگہ قرآنی سورتیں اور قصائد تحریر ہیں۔ اگر قرآنی تحریروں کی بات کی جائے تو قبّے کے بالائی نوار (گلوپے) پر سورۂ فجر اور کھڑکیوں کے نیچے والی پٹی پر سورۂ عمّ یتساء لون کندہ ہے۔ یہ دونوں سورتیں سنہ ۰۷۳۱ ہجری/۱۵۹۱عیسوی میں سید احمد مصطفوی نے ازسرِنو تحریر اور مرمت کر کے دوبارہ نصب کیں۔

قبے کے اندرونی نچلے حصے میں سنہری خط میں لکھے ہوئے اشعار قصیدۂ عینیہ کے ہیں، جو ”ابن ابی الحدید معتزلی“ —— شرح نہج البلاغہ کے مصنف —— کا شہرۂ آفاق قصیدہ ہے۔ اس قصیدے کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

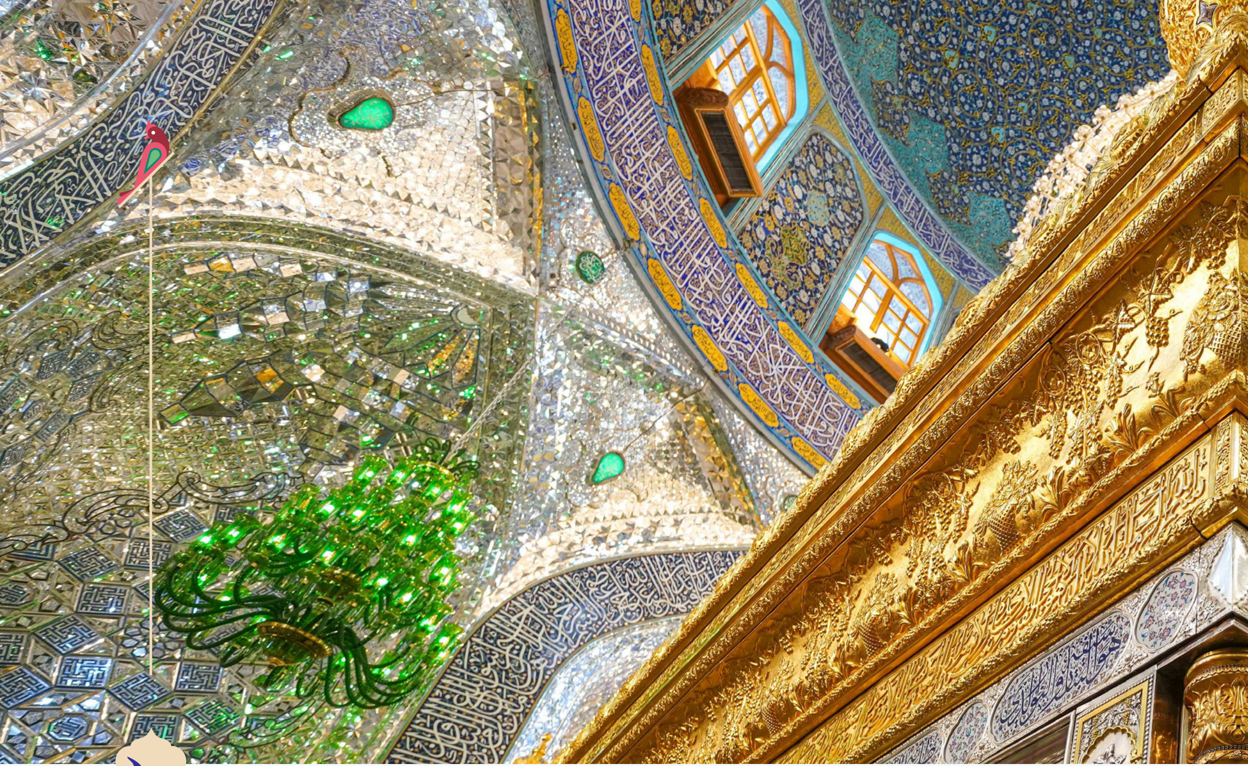

یا برق ان جئت الغری فقل له
اتراك تعلم من بأرضك مودع

اے بجلی ! اگر تو نجفِ اشرف پر گزرتی ہے، تو اس سے کہہ : کیا تم جانتے ہو کہ تمھاری آغوش میں کون سویا ہوا ہے؟

اور آگے چل کر یہ اشعار آتے ہیں:

فيك الامام المرتضى فيك ال
وصی المجتبى فيك البطين الانزع

تیرے دامن میں امامِ مرتضیٰ ہے، تیرے اندر رسولِ مجتبیٰ کا وصی آرام فرما ہے، وہی جو زہد و تقوا میں یگانہ، اور شجاعت میں بے مثل ہے۔

چاروں طرف کے بڑے بڑے دروازوں کے عین اوپر "عبدالباقی عمری" موصلی اور "سید رضا ہندی" نجفی کے اشعار بھی خوش خطی سے کندہ ہیں۔ ایوانوں پر کندہ قرآنی سورتیں بھی سنہ ١٤٢٩ ہجری میں حرم مقدس امیر المؤمنین کی انتظامیہ کی جانب سے از سر نو تحریر کی گئیں۔ سورتیں وہی اپنی جگہ محفوظ رہیں، البتہ ان کی تجدید کاری استاد "موحد" نے انجام دی۔

آئینہ کاری اور مُشَبّک کاری کی روایت

رواقوں اور حرم کے اندرونی حصے کی سب سے نمایاں خصوصیت آئینہ کاری اور مشبک کاری ہے، جو دورِ قاجاریہ کی فنکارانہ روایات کا چمکتا ہوا نمونہ ہیں۔ حرم کی ابتدائی آئینہ کاری ۱۳ویں صدی ہجری کے آغاز میں کی گئی۔

اس بارے میں "شیخ جعفر محبوبہ" کی گواہی اہم ہے۔ وہ اس تاریخ کے لیے ایک شعری مصرعے کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ایوانِ غربی کے جنوبی ستون پر درج تھا، جس پر سنہ ۱۲۰۴ھ لکھا ہوا تھا۔ وہ مصرعہ یہ تھا:

كل من يسأل عن تاريخها

هي صرح من قواريب ممردة

جو بھی اس کی تاریخ پوچھے، تو جان لے کہ یہ مضبوط اور سنوارے گئے ستونوں کی بنی ہوئی شاندار عمارت ہے۔

بعد ازاں ۱۳۷۰ ہجری / ۱۹۵۱عیسوی میں شاہِ سابق ایران محمد رضا پہلوی کی سرپرستی میں آئینہ کاری کی مکمل مرمت اور تجدید کی گئی۔ افسوس کہ اس دوران سابقہ تاریخی تحریر مٹ گئی۔ چونکہ آئینہ کاری میں لگے شیشے وقت کے ساتھ کُند یا شکستہ ہو سکتے ہیں، اس لیے حرم مقدس امیر المؤمنین کی انتظامیہ مستقل بنیادوں پر ان کی مرمت اور تجدید کرتی رہتی ہے۔

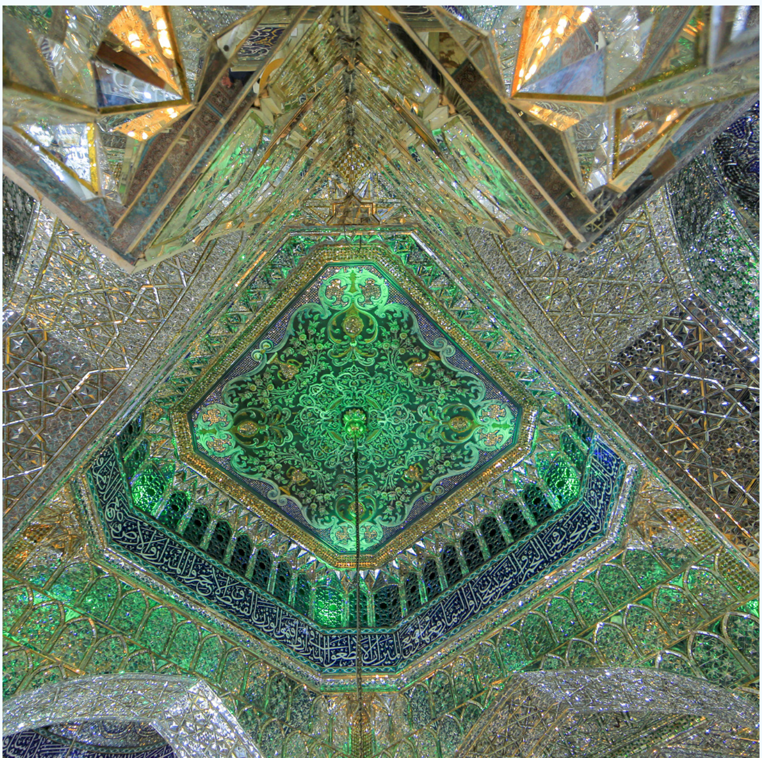

زمین اور سطحِ حرمِ مقدس امیر المؤمنین

جہاں تک حرم کے فرش کا تعلق ہے، تو ماضی میں فرش قدیم "سنگِ نجفی" سے تیار کیا گیا تھا، جو "دریائے نجف" سے حاصل کیا جاتا تھا۔ فرش کی پہلی بڑی تبدیلی ۹۵۳۱ ہجری / ۰۴۹۱ عیسوی میں ہوئی جب "طاہر سیف الدین" نے فرش کو اعلا درجے کے اٹالین مرمر سے بدل دیا۔ بعد ازاں حرم کی انتظامیہ نے بڑے پیمانے پر نوسازی کے منصوبے شروع کیے جن کے تحت پرانے مرمر کو نہایت قیمتی اور نایاب سبز اونیکس سے تبدیل کیا گیا۔ یہی پتھر فرش کے ساتھ ساتھ دیواروں پر بھی دو میٹر کی اونچائی تک نصب کیا گیا۔

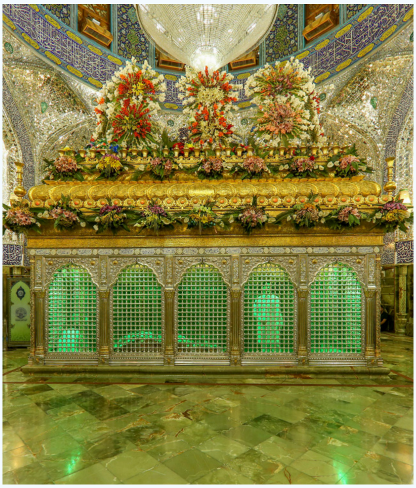

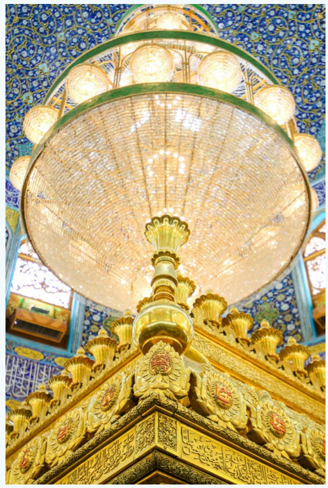

فانوس اور قندیلیں ـــــ شاہی امانتیں

گزشتہ ادوار میں سلاطین، امراء اور متمول شخصیات حرمِ مطہر کی خدمت میں اپنے بیش قیمت تحائف پیش کرتے تھے، جن میں چاندی اور سونے کی قندیلیں اور نایاب فانوس شامل تھے۔ قدیم تصاویر میں یہ فانوس اور قندیلیں رواقوں اور حرم کے اندر آویزاں دکھائی دیتی ہیں، مگر اب انھیں حرم کے محفوظ ذخائر میں رکھا گیا ہے۔

قبّے کے عین اندر نصب موجودہ عظیم فانوس، نہایت نفیس اور قابلِ دید ہے۔ یہ کرسٹل سے بنا ہوا ہے اور اس کی آبکاری خالص سونے کی ہے۔ یہ ایک نمادین فانوس ہے، جس کی لمبائی تقریباً آٹھ میٹر ہے اور یہ تین بڑے طوقوں پر مشتمل ہے۔ یہ فانوس ایران کے شہر مشہد میں تیار کیا گیا اور سنہ ۸۲۴۱ ہجری / ۲۰۰۷ عیسوی میں یہاں نصب کیا گیا۔

اعداد و شمار: زیارتِ عیدِ غدیر

زائرین کی تعداد

حرمِ مقدسِ امیرالمؤمنین میں ۴۰ لاکھ زائرین کی آمد ریکارڈ کی گئی ہے۔

ضیافت (خوراک)

زائرین کے تواضع کے لیے ۲,۵۰,۰۰۰ سے زائد کھانوں کے پیکٹ تقسیم کیے گئے۔

نقل و حمل

زائرین کی رفت و آمد کی سہولت کے لیے ۱۱۰ مختلف گاڑیاں مامور کی گئیں۔

طبّی خدمات

صحنِ مقدس کے گردونواح میں ۵ میڈیکل یونٹس (طبّی مراکز) قائم کیے گئے۔

رضاکار

خدمتِ زوار کے جذبے سے سرشار ۲,۵۰۰ معزز رضاکاروں نے خدمات سرانجام دیں۔

حرم کے خدام

شعبہ نظم و ضبط کے لیے ۲,۰۰۰ خدام تعینات تھے۔

عمومی خدمات کی فراہمی کے لیے مزید ۲,۰۰۰ خدام نے خدمت انجام دی۔

سیکیورٹی اور نگرانی

سیکیورٹی کے فول پروف انتظامات کے لیے ۳,۰۰۰ سی سی ٹی وی کیمروں سے نگرانی کی گئی۔

میڈیا

اس عظیم الشان اجتماع کی کوریج کے لیے ۶۰ میڈیا ہاؤسز نے شرکت کی۔

روزِ غدیر؛ خدماتِ حرمِ امیرالمؤمنین علیہ السلام

۱۔ ۱۴۴۶ میٹر طویل غدیری کیک

عیدِ غدیر کی خوشی میں، ولایت کا عہد تازہ کرنے کے لیے آنے والے زائرین کی ضیافت کے سلسلے میں ۱۴۴۶ میٹر طویل "کیکِ غدیر" تیار کیا گیا۔

۲۔ غدیر یادگار (نصب الغدیر) کی نقاب کشائی

چودہویں عالمی "ہفتہ غدیر" کی تقریبات کے ضمن میں ایک تخلیقی اور فنکارانہ شاہکار "نصب الغدیر" (غدیر یادگار) کی نقاب کشائی کی گئی۔ اس پروقار تقریب میں عقیدت مندوں اور محبانِ اہل بیت نے بڑی تعداد میں شرکت کی اور عیدِ غدیر کی خوشیاں منائیں۔

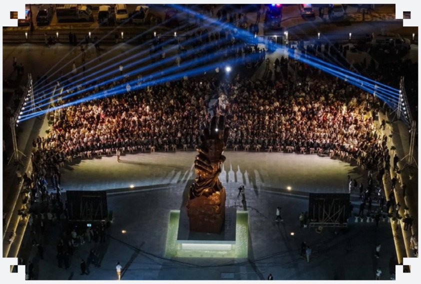

۳۔ سیرتِ امام علی (علیہ السلام) نمائش کا افتتاح

اللہ کی سب سے بڑی عید، یعنی عیدِ غدیر کی مناسبت سے اور چودھویں عالمی ہفتہ غدیر کی سرگرمیوں کے طور پر "حیاتِ امام علی علیہ السلام" نمائش کا افتتاح کیا گیا۔ اس تقریب میں زائرین نے بے پناہ خوشی اور عقیدت کے ساتھ شرکت کی۔

۴۔ صحنِ فاطمۃ الزہراء (سلام اللہ علیہا) میں غدیری دستر خوان

مولائے کائنات امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام کے چشمۂ سخاوت اور فیضِ عطا سے، عیدِ غدیر کے جشن کے سلسلے میں سیدۃ النساء العالمین حضرتِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے صحنِ مبارک میں ایک بابرکت "غدیری دستر خوان" کا اہتمام کیا گیا۔

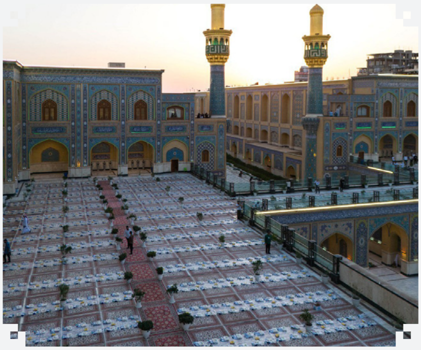

۵۔ نجفِ اشرف کی فضاؤں میں پرچمِ غدیر

نجفِ اشرف کے آسمان پر عیدِ غدیر کے پرچم کا لہرانا، درحقیقت تمام محبانِ علی کے دلوں کی دھڑکنوں اور ان کی وفاداری و خوشی کا اظہار ہے۔

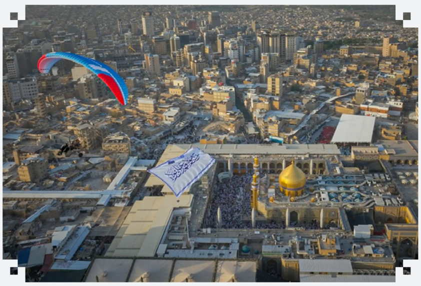

٦۔ اسلامی فنِ تاریخ کا سب سے بڑا تھیٹر (بیعتِ حق)

اسلامی فن کی تاریخ کا سب سے بڑا تھیٹریکل شو "البیعۃ مع الحق" (حق کے ساتھ بیعت) چودھویں عالمی ہفتہ غدیر کی تقریبات کے موقع پر پیش کیا گیا۔ اس میں مختلف تخلیقی مناظر کے ذریعے عیدِ غدیر کی عظمت کو اجاگر کیا گیا۔

۷۔ زائرین کے لیے ضیافت اور خدماتی مراکز کا قیام

حرمِ مقدسِ امیر المؤمنین علیہ السلام کی جانب سے امیر المومنین علیہ السلام کے حرمِ مطہر میں تجدیدِ بیعت و ولایت کے لیے آنے والے زائرین کی خدمت اور ضیافت کے لیے متعدد مقامات پر خدماتی مراکز قائم کیے گئے۔

۸۔ حرمِ مقدسِ امیرالمؤمنین علیہ السلام میں مرکزی جشنِ غدیر

حرمِ مقدسِ امیرالمؤمنین علیہ السلام کی جانب سے عیدِ غدیر کی مناسبت سے صحنِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا میں مرکزی تقریبِ غدیر کا انعقاد کیا گیا، جس میں زائرین کی بڑی تعداد نے نہایت جوش وخروش اور عقیدت کے ساتھ شرکت کی۔

۹۔ دنیا کے ۴۰ ممالک میں ۵۷ پرچموں کی تنصیب

حرمِ مقدسِ امیر المؤمنین علیہ السلام کی جانب سے عیدِ غدیر کی مناسبت سے دنیا کے ۴۰ مختلف ممالک میں غدیر کے ۵۷ پرچم لہرائے گئے، جو اس مبارک موقعے کی عالمی سطح پر پہچان اور جشن کی علامت ہیں۔

امریکہ براعظم
۵ بینرز

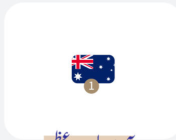

آسٹریلیا براعظم
۱ بینرز

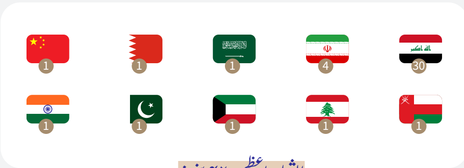

ایشیا براعظم : ۴۲ بینرز

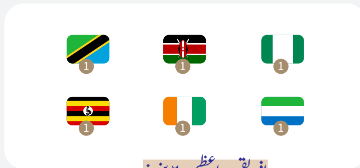

افریقی براعظم : ۶ بینرز

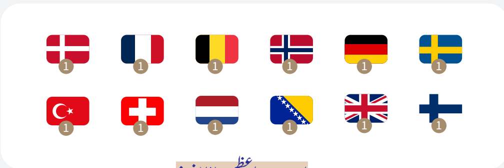

یورپ براعظم : ۱۲ بینرز

۱۰۔ صحنِ حیدری میں ولایتی نعروں کی گونج

عیدِ غدیر کا پرچم محبانِ علی کے ہاتھوں اور ان کے بیعت کرنے والے دلوں کی دھڑکنوں کے ساتھ بلند کیا گیا۔ حرمِ مقدسِ امیر المؤمنین علیہ السلام کے صحن میں عقیدت مندوں نے مولا کی شان میں قصیدے پڑھے اور خوشی کا اظہار کیا۔

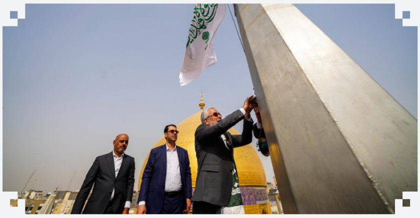

خاتمه

حمد و ثنا اس پروردگارِ عالم کے لیے جس نے ہادیانِ برحق کو مبعوث فرما کر صراطِ مستقیم کو عیاں کیا، اور اپنے پیغامات کی تبلیغ وامت کی خیر خواہی کے ذریعے بندوں پر حجت تمام کر دی۔[1]

ہدایت کی یہ پکار جب مرد و زن کے گوش گزار ہوئی، تو جہل و بے خبری کا ہر عذر مٹ گیا اور حق کا پیغام آفاق تک پہنچا دیا گیا۔[2] حقیقت تو یہ ہے کہ معذور صرف وہ ہے جو فکری الجھنوں میں حق و باطل کے فرق کو پہچاننے سے قاصر ہو، لیکن جہاں اختلاف کی گرد چھٹ جائے اور حقیقت آشکار ہو جائے، وہاں بارگاہِ عدل میں خاموشی کا کوئی جواز قبول نہیں ہوتا۔[3]

"الفضل ما شهدت به الاعداء" (فضیلت وہی ہے جس کی گواہی دشمن بھی دے)؛ امیر المومنین صلوات اللہ علیہ وآلہ وہ ہستی ہیں جن کے لامتناہی فضائل کے سامنے بڑے بڑے معاندین نے بھی سر تسلیم خم کیا۔ چنانچہ خطیب بغدادی اعتراف کرتے ہیں کہ آپ کے مناقب بیان سے کہیں زیادہ مشہور اور شمار سے کہیں زیادہ افزوں ہیں[4]، جب کہ ابنِ جوزی آپ کی شہرت کو چاند سورج سے زیادہ تابندہ اور آپ کے فضائل کو ریگ رواں اور سنگِ بیاں کی تعداد سے بھی زیادہ قرار دیتے ہیں۔[5] آپ وہ حقیقتِ مکتوم ہیں جس کا عنوان "حدیثِ غدیر" ہے؛ ایک ایسی ٹھوس اور ناقابلِ تردید سچائی جس کی گواہی کے لیے صرف 'کتاب الغدیر' میں ایک سو دس جلیل القدر اصحاب کے نام درج ہیں۔[6]

۱۔ سید ابن طاؤس، جمال الأسبوع، ج۱، ص۲۹: (أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ رِسَالَاتِ رَبِّكَ وَ نَصَحْتَ لِأُمَّتِكَ)۔

۲۔ علامہ کلینی، الکافی، ج۲، ص۴۰۶: (لَيْسَ الْيَوْمَ مُسْتَضْعَفٌ أَبْلَغَ الرِّجَالَ الرِّجَالُ وَ النِّسَاءُ النِّسَاءَ)۔

۳۔ علامہ کلینی، الکافی، ج۲، ص۴۰۶: (الضَّعِيفُ مَنْ لَمْ تُرْفَعْ إِلَيْهِ حُجَّةٌ وَ لَمْ يَعْرِفِ الِاخْتِلَافَ)۔

۴۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ج۱، ص۱۴۳: (و مناقبه أشهر من أن تذكر و أكثر من أن تحصى)۔

۵ سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ص۱۶۷

۶ علامہ امینی، الغدیر، ج۱: (حدیثِ غدیر اور ۱۱۰ اصحاب کا بطورِ راوی تفصیلی تذکرہ)۔

بلاشبہ اگر تحقیق کا دائرہ وسیع کیا جائے تو یہ تعداد کہیں زیادہ ہوگی، کیونکہ یہ کثرت تو محض ان اوراقِ پارینہ سے کشید کی گئی ہے جو زمانے کی دست برد سے محفوظ رہ گئے، ورنہ تاریخ گواہ ہے کہ حقائق کو مٹانے کے لیے کتنے ہی علمی خزانے جلا دیے گئے اور کتنے ہی حقائق پر مصلحتوں کے پردے ڈال دیے گئے۔ اس کے باوجود آپ کے کمال کا سورج نہ چھپ سکا، کیونکہ آپ رسولِ خدا کے بعد کائنات کی بہترین تخلیق اور پوری انسانیت کے پیشوا و مقتدا ہیں۔[1]

مگر افسوس! اس تلخ تضاد اور اس روح فرسا غربت پر؛ عقل اس مظلومِ دوراں کی مظلومیت پر حیران ہے جس کی حقانیت پر صحرائے غدیر کے ہزاروں عینی شاہد موجود تھے، مگر پھر بھی انہیں ان کا حق نہ مل سکا؛ حالانکہ دنیا میں لوگ محض دو گواہوں کی بنیاد پر اپنا حق پا لیتے ہیں۔[2] آپ تاریخِ عالم کے وہ پہلے مظلوم ہیں جن کا حقِ الٰہی ستم کے ساتھ غصب کیا گیا۔[3] یہ ظلم اتنا ہمہ گیر تھا کہ عرب کا کوئی گھرانہ ایسا نہ بچا جو اس جفا میں شریک نہ ہوا ہو؛ اس عظیم مظلومیت کا بوجھ صحرا کے ذرات اور چرند پرند کے بالوں کے برابر تاریخ کے سینے پر ہمیشہ گراں رہے گا۔[4]

۱ابن شاذان، مائة منقبة، ج۱، ص۱۸: (إِنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَفْضَلُ خَلْقِ اللَّهِ تَعَالَى غَيْرِي).

۲۔ محمد بن مسعود عیاشی، تفسیر العیاشی، ج۱، ص ۳۳۲: (إِنَّهُ كَانَ لَهُ عَشَرَةُ آلَافِ شَاهِدٍ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى أَخْذِ حَقِّهِ).

۳۔ علامہ کلینی، الکافی، ج۴، ص۵۶۹: (أَنْتَ أَوَّلُ مَظْلُومٍ وَ أَوَّلُ مَنْ غُصِبَ حَقَّهُ صَبَرْتَ وَ احْتَسَبْتَ).

۴۔ قطب الدین راوندی، الخرائج و الجرائح، ص۱۸۰: (أنا أعظم ظلامة منك، ظلمني المدر و الوبر).

ظلم وجور کے اس سلسلے کا آغاز جتنا ہولناک تھا، اس کا حساب بھی اتنا ہی عظیم ہوگا۔ روزِ جزا جب عدلِ الٰہی کی پہلی عدالت لگے گی، تو کائنات کے سب سے پہلے ناحق خون یعنی حضرت محسن بن علی (ع) کی مظلومیت کا مقدمہ پیش ہوگا، تاکہ دنیا جان لے کہ یہی وہ پہلا زخم تھا جو تاریخ کے تمام مظالم کی جڑ بنا؛ اس وقت امیر المومنین (ع) حتمی انصاف کے لیے اللہ کے حضور ایستادہ ہوں گے۔[1] لیکن اس ستم کی بساط کا الٹنا بھی یقینی ہے؛ وہ وقت دور نہیں جب حضرت مہدی (عج اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) ظہور فرمائیں گے تاکہ اعدائے خدا سے انتقام لیں اور اپنے جلالِ الٰہی سے تاریخ کے ہر مظلوم کو اس کا حق دلائیں۔[2]

بارِالٰہا! غدیر کے تنہا وارث اور ستم دیدگان کے خون کے منتقم کے ظہور میں تعجیل فرما؛ وہ ہستی جن کا دیدار درحقیقت جمالِ محمدی اور جلالِ علوی کا مشاہدہ ہے۔[3] پروردگارا! ہمیں ان کے اعوان وانصار میں شمار فرما اور ہماری آنکھوں کو ان کے جمالِ مرتضوی سے روشن کر؛ کہ وہی ظلم کی اس سیاہ رات کے خاتمے اور عالمِ ہستی میں کلمۂ حق کی بلندی کے ضامن ہیں۔ **"اللھم عجل لولیك الفرج والعافیة والنصر"**۔

۱۔ ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، ج۱، ص ۳۳۲: (أَوَّلُ مَنْ یُحْکَمُ فِیهِمْ مُحَسِّنُ بْنُ عَلِیٍّ (ع))۔

۲۔ ابن عیاش جوهری، مقتضب الأثر، ج۱، ص۱۰: (وَهُوَ (المهدی) اَلْمُنْتَقِمُ مِنْ أَعْدَائِی)۔

۳۔ علامه مجلسی، بحار الانوار، ج۵۳، ص۱: (مَنْ أَرَادَ أَنْ یَنْظُرَ إِلَی مُحَمَّدٍ وَ أَمِیرِ الْمُؤْمِنِینَ... فَهَا أَنَا ذَا)۔